اسلام کی سپر تقیّہ

فلسفۂ تقیّہ

مقدّمہ : ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی

تصنیف : آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی

ترجمہ وتلخیص : سید مختار حسین جعفری کشمیری

ضمیمہ : ایک محقق

اسلام کی سپر تقیہ

فلسفۂ تقیہ

مقدمہ : ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی

تالیف : آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی

ترجمہ و تلخیص : سید مختار حسین جعفری کشمیری

ضمیمہ : ایک محقق

ناشر :

رحمت اللہ بک ایجنسی

بالمقابل بڑا امام بارگاہ کھارادر کراچی نمبر ۷۴۰۰۰

فون : ۲۴۳۱۵۷۷

ذوالفقار بک ڈپو
یادگار چوک سکردو

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	مقدمہ ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی	۲
۲	تقیہ معرکۃ الآرا موضوع بحث	۱۳
۳	مقدمہ مترجم	۱۵
۴	حرفِ آغاز	۲۳
۵	تقیہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی	۲۵
۶	تقیہ کا حکم تکلیفی	۲۸
۷	احادیث تقیہ	۳۵
	پہلا طائفہ	۳۵
	دوسرا طائفہ	۳۷
	تیسرا طائفہ	۳۸
	چوتھا طائفہ	۴۲
۸	چند ضروری اُمور	۴۷
	اوّل تقیہ میں اس قدر تاکید کی علت اور سبب کیا ہے؟	۴۷
	پہلی وجہ	۴۸
	دوسری وجہ	۴۹
	۱۔ تقیہ کی غرض وغایت اور اس کی قسمیں	۵۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	۲۔ وجوب تقیہ کے موارد	۵۴
	ایک ضروری آگاہی	۵۵
۹	موارد حرمت تقیہ	۵۷
	۱۔ اگر دین میں فساد کا خطرہ ہو تو تقیہ جائز نہیں	۵۷
	۲۔ قتل میں تقیہ جائز نہیں	۶۱
	۳۔ شراب خوری یا اس طرح کے محرمات میں تقیہ حرام ہے۔	۶۲
	۴۔ ضرورت کے بغیر تقیہ جائز نہیں ہے	۶۶
	تذکر	۶۷
۱۰	اختیار کفر اور ایمان سے برائت میں تقیہ کا حکم	۶۸
	روایات تفصیل	۷۵
	دوسری بحث	۷۷
	احادیث کے مضامین میں ہم آہنگی کا طریقہ	۸۱
۱۱	تقیۃً پڑھی گئی نماز کا حکم	۸۴
۱۲	تقیہ سے متعلق ضروری مسائل (تنبیہات)	۹۳
	پہلا مسئلہ: کیا تقیہ مخالف مذہب کے ساتھ مخصوص ہے؟	۹۳
	دوسرا مسئلہ: تقیہ موضوعات میں	۹۶
	مسئلۂ اکراہ اور تقیہ	۱۰۰
	تیسرا مسئلہ: آیا تقیہ کی شروعیت کے لئے فرار کا راستہ نہ ہونا معتبر ہے یا نہیں؟	۱۰۴
	لیکن ہمارا نظریہ یہ ہے۔	۱۰۶
	چوتھا مسئلہ: محور تقیہ خوف شخصی ہے یا خوف نوعی	۱۱۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	پہلی صورت	۱۱۰
	دوسری صورت	۱۱۱
	پہلی صورت کا حکم	۱۱۱
	دوسری صورت کا حکم	۱۱۲
	پانچواں مسئلہ: موارد وجوب میں تقیہ کی مخالفت	۱۱۴
	چھٹا مسئلہ: تقیہ کے بعد	۱۱۵
	ساتواں مسئلہ: آیا تقیہ واجب نفسی ہے یا واجب غیری؟	۱۱۸
	آٹھواں مسئلہ: تقیہ کی تیسری قسم	۱۱۹
۱۳	ضمیمہ مبحث تقیہ	۱۲۳
۱۴	ایک صعب المرور منزل	۱۳۴
۱۵	امیرالمومنینؑ کی ایک بیّن فضیلت	۱۳۹
۱۶	امام غزالی کا فتویٰ	۱۴۰
۱۷	امام زہری کا قول	۱۴۰
۱۸	امام فخرالدین رازی کی رائے	۱۴۰
۱۹	ابن حجر کا مقولہ تقیہ کے بارے میں	۱۴۱
۲۰	صحابہ و تابعین نے تقیہ کیا	۱۴۲
۲۱	ابن عباس نے تقیہ کیا	۱۴۲
۲۲	ایک دوسرا قول	۱۴۳
۲۳	ابن عمر نے تقیہ کیا	۱۴۴
۲۴	ابن مسعود نے تقیہ کیا	۱۴۴

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۱۴۵	راوی حدیث رسول نے تقیہ کیا	۲۵
۱۴۵	ابراہیم نخعی نے تقیہ کیا۔	۲۶
۱۴۵	زرارۃ ابن اوفی الحرشی نے تقیہ کیا	۲۷
۱۴۶	عبداللہ ابن عمر کا تقیہ	۲۸
۱۴۷	قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں بیان کیا ہے	۲۹
۱۴۷	حسن بصری نے تقیہ کیا	۳۰
۱۴۸	محمد بن سیرین و شعبی نے تقیہ کیا	۳۱
۱۴۸	ایک بڑے گروہ نے تقیہ کیا	۳۲
۱۴۹	ابوذر کو تقیہ کا حکم	۳۲
۱۵۱	پھر ابوذر کے لئے تقیہ کی ہدایت	۳۴
۱۵۲	انبیاء نے تقیہ کیا	۲۵
۱۵۳	جناب خلیل اللہ کا دوسرا تقیہ	۳۶

مقدمہ

ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی ؒ

ترجمہ : مستجاب احمد انصاری

اہلِ سُنّت کے نزدیک "بَدَاء" بہت ہی قابلِ اعتراض اور مکروہ عقیدہ ہے، اسی طرح تقیّہ کو بھی وہ بُرا سمجھتے ہیں اور اس پر شیعہ بھائیوں کا مذاق اُڑاتے ہیں بلکہ شیعوں کو مُنافق سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیعوں کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے اور ظاہر کچھ اور کرتے ہیں۔

میں نے اکثر اہلِ سُنّت سے گفتگو کر کے انھیں یقین دلانے کی کوشش کی کہ تقیّہ نِفاق نہیں ہے لیکن انھیں تو کسی بات کا یقین ہی نہیں آتا سوائے اس کے کہ جو انھیں ان کی مذہبی عصبیت نے سکھا دیا ہے یا جو ان کے بڑوں بزرگوں نے ان کے دل میں بٹھا دیا ہے۔

یہ بڑی پوری کوشش کرتے ہیں کہ ان انصاف پسند اور تحقیق کے طالب لوگوں سے جو شیعوں اور شیعہ عقائد کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں، حقائق کو چھپائیں اور یہ کہہ کر انھیں شیعوں سے متنفر کرنے کی کوشش کریں کہ یہ عبداللہ بن سبا یہودی کا فرقہ ہے جو رَجعت، بَدَاء، تقیّہ، عِصمت اور مُتعہ کا قائل ہے اور اس کے عقائد میں بہت سے خُرافات اور فرضی باتیں شامل ہیں جیسے مثلاً مہدیِ منتظر وغیرہ کا عقیدہ۔ جو شخص ان کی باتوں کو سُنتا ہے وہ کبھی اظہارِ نفرت کرتا ہے اور کبھی اظہارِ حیرت۔ اور یہی سمجھتا ہے کہ ان خیالات کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، یہ سب شیعوں کی منگھڑت اور فرضی باتیں ہیں۔

مگر جب کوئی شخص تحقیق کرتا ہے اور انصاف سے کام لیتا ہے تب اسے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب عقائد کا اسلام سے گہرا تعلق ہے اور یہ قرآن و سُنّت کی کوکھ سے پیدا ہوئے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اسلامی عقائد و تصوّرات ان کے بغیر اپنی صحیح شکل اختیار ہی نہیں کر سکتے۔

اہلِ سُنّت میں عجیب بات یہ ہے کہ جن عقائد کو وہ بُرا سمجھتے ہیں، ان ہی

عقائد سے ان کی کتابیں اور احادیث کے معتبر مجموعے بھرے ہوئے ہیں۔ اب ایسے لوگوں کا کیا علاج جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں۔ اور جو خود اپنے عقائد کی اس لیے ہنسی اُڑاتے ہیں کیونکہ شیعہ ان پر عامل ہیں۔

ہم بَدَاء کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ اہلِ سُنّت خود بَدَاء کے قائل ہیں لیکن اگر دوسرے بَدَاء کے قائل ہوں تو ان پر اعتراض کرنے سے نہیں چُوکتے۔

اب آیئے دیکھیں تقیّہ کے مسئلہ میں اہل سُنّت و الجماعت کیا کہتے ہیں؟ اس کی بنا پر تو وہ شیعوں پر مُنافق ہونے تک کا الزام لگاتے ہیں۔

ابن جریر طبری اور ابن ابی حاتم نے عوفی کے واسطے سے ابنِ عبّاس سے روایت بیان کی ہے کہ اس آیت اِلَّآ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰىةً کے بارے میں ابنِ عبّاس کہتے تھے کہ :

> "تقیّہ زبان سے ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی کسی شخص کو ایسی بات کہنے پر مجبور کرے جو اصل میں معصیت ہے تو وہ اگر لوگوں کے ڈر کے مارے وہ بات کہہ دے جب کہ اس کا دِل پوری طرح ایمان پر قائم ہو تو اسے کچھ نقصان نہیں ہوگا یہ بھی یاد رکھو کہ تقیّہ محض زبان سے ہوتا ہے۔" [1]

یہ روایت حاکم نے نقل کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔ بیہقی نے بھی اپنی سُنَن میں عطاء عن ابن عباس کے حوالے سے اِلَّآ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰىةً (مگر ہاں ایسی صورت میں کہ تم کو ان سے کچھ اندیشۂ ضرر ہو۔ (سورۂ آلِ عمران۔ آیت ۲۸) کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابنِ عباس کہتے تھے کہ "تُقٰىةً کا تعلق زبان سے کہنے سے ہے بشرطیکہ دل ایمان پر قائم ہو۔" [2]

عَبد بن حمید نے حَسَن بصری سے روایت بیان کی ہے کہ

"حَسَن بصری کہتے تھے کہ تقیّہ روزِ قیامت تک جائز ہے۔" [3]

عبد بن ابی رجاء نے نقل کیا ہے کہ حَسَن بصری اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے : اِلَّآ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تَقِیَّةً۔ [1]

---

[1] سُیوطی، تفسیر در منثور [2] سُنَنِ بیہقی۔ مُستدرکِ حاکم [3] سیوطی، در منثور

عبدالرزاق، ابنِ سعد، ابن جریر طبری، ابنِ ابی حاتم اور ابن مَردُوَیہ نے مندرجہ ذیل روایت بیان کی ہے، حاکم نے مُستدرک میں اسے صحیح کہا ہے، بیہقی نے دلائل میں اس کو نقل کیا ہے۔ روایت یہ ہے:

مُشرکین نے عمار بن یاسرؓ کو پکڑ لیا اور اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک عمارؓ نے نبی اکرمؐ کو گالی نہ دی اور مشرکین کے معبودوں کی تعریف نہ کی۔ ابن سعد، طبقات الکبریٰ۔

آخر جب عمارؓ کو مشرکین نے چھوڑ دیا تو وہ رسول اللہؐ کے پاس آئے۔ رسول اللہؐ نے پوچھا: کہو کیا گزری؟ عمارؓ نے کہا: بہت بُری گزری، انھوں نے مجھے اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک میں نے آپ کی شان میں گُستاخی نہ کی اور ان کے معبودوں کی تعریف نہ کی۔ رسول اکرمؐ نے پوچھا: تمھارا دل کیا کہتا ہے؟ عمارؓ نے کہا: میرا دل تو ایمان پر پختہ اور قائم ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: اگر وہ لوگ تم پر پھر زبردستی کریں تو پھر ایسے ہی کہہ دینا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ.

یعنی جو شخص ایمان لانے کے بعد خُدا کے ساتھ کُفر کرے مگر وہ نہیں جو کُفر پر زبردستی مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ (سورۂ نحل - آیت ۱۰۶)

ابن سعد نے محمد بن سیرین سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہؐ نے دیکھا کہ عمارؓ رو رہے ہیں۔ آپ نے ان کے آنسو پونچھے اور کہا: (مجھے معلوم ہے کہ) کُفّار نے تمھیں پانی میں ڈبو دیا تھا تب تم نے ایسا کہا۔ اگر وہ پھر تمھارے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں، تو پھر یہی کہہ دینا۔ ابن سعد، طبقات الکبریٰ

ابن جریر، ابن مُنذر، ابن ابی حاتم نے اور بیہقی نے اپنی سُنَن میں عَنْ عَلِيٍّ عَنِ ابْنِ عَبَّاس کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ

ابنِ عباس اس آیت کی تفسیر میں کہتے تھے: مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ کہ اللہ نے خبر دی ہے کہ جس نے ایمان کے بعد کُفر کیا، اس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا اور اس کے لیے سخت عذاب ہے مگر جسے مجبور کیا گیا اور اس نے دشمن سے بچنے کے لیے زبان سے کچھ کہہ دیا مگر اس کے دل میں ایمان ہے اور اس کا دل اس کی زبان کے ساتھ نہیں، تو کوئی بات نہیں کیونکہ اللہ اپنے بندوں سے صرف اس بات کا مُواخذہ کرتا ہے جس پر ان کا دل جم جائے۔

ابن ابی شَیبہ، ابن جریر طبری، ابن مُنذر اور ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت بیان کی ہے کہ یہ آیت مکّے کے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ ہوا یوں کہ یہ لوگ ایمان لے آئے تو انھیں بعض صحابہ نے مدینے سے لکھا کہ ہجرت کرکے یہاں آجاؤ۔ جب تک تم ہجرت کرکے یہاں نہیں آؤ گے، ہم تمھیں اپنا ساتھی نہیں سمجھیں گے۔ اس پر وہ مدینہ کے ارادے سے نکلے۔ راستے میں انھیں قریش نے پکڑ لیا اور ان پر سختی کی۔ مجبوراً انھیں کچھ کلماتِ کُفر کہنے پڑے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ.

بُخاری نے اپنی صحیح میں بابُ المُداراۃِ مَعَ النّاس میں ایک روایت نقل کی ہے، جس کے مطابق ابوالدرداء کہتے تھے:

کچھ لوگ ہیں جن سے ہم بڑی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں، لیکن ہمارے دل ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ صحیح بُخاری جلد ۷ صفحہ ۱۰۲

حلبی نے اپنی سیرت میں یہ روایت بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ

"جب رسول اللہؐ نے شہرِ خیبر فتح کیا تو حجاج بن عِلاط نے آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! مکّے میں میرا کچھ سامان ہے اور وہاں میرے گھر والے بھی ہیں، میں انھیں لانا چاہتا ہوں، کیا مجھے اجازت ہے اگر میں کوئی ایسی بات کہہ دوں جو آپ کی شان میں گُستاخی ہو؟ رسول اللہؐ نے اجازت دے دی اور کہا: جو چاہے کہو۔"

علی بن برہان الدین شافعی، اِنسانُ العیون المعروف بہ سیرتِ حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۶۱

امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم میں ہے کہ :

"مسلمان کی جان بچانا واجب ہے۔ اگر کوئی ظالم کسی مسلمان کو قتل کرنا چاہتا ہو اور وہ شخص چھپ جائے تو ایسے موقع پر جھوٹ بول دینا واجب ہے" حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی، احیاء علوم الدین۔

جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب اَلْاَشْبَاہُ وَالنَّظَائِر میں ایک روایت بیان کی ہے۔ اس میں لکھا ہے :

"فاقہ کشی کی حالت میں مردار کھانا، شراب میں لقمہ ڈبونا اور کفر کا کلمہ زبان سے نکالنا جائز ہے۔ اگر کسی جگہ حرام ہی حرام ہو اور حلال شاذ و نادر ہی ملتا ہو تو حسب ضرورت حرام کا استعمال جائز ہے۔"

ابوبکر رازی نے اپنی کتاب اَحْکَامُ الْقُرْآن میں اس آیت اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

مطلب یہ ہے کہ اگر تمھیں جان جانے یا کسی عضو کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو تو تم کفار سے بہ ظاہر دوستی کا اظہار کر کے اپنی جان بچا سکتے ہو۔ آیت کے الفاظ سے یہی معنی نکلتے ہیں اور اکثر اہل علم اسی کے قائل ہیں۔ قتادہ نے بھی لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ مومن کے لیے جائز نہیں کہ کسی کافر کو دین کے معاملے میں اپنا دوست یا سرپرست بنائے سوائے اس کے کہ ضرر کا اندیشہ ہو۔ قتادہ نے مزید کہا ہے کہ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ کی صورت میں زبانی کفر کا اظہار جائز ہے۔[1]

صحیح بخاری میں عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے انھیں بتلایا کہ

[1] ابوبکر رازی، احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۰

ایک دفعہ ایک شخص نے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا : لغو آدمی ہے، خیر آنے دو۔ جب وہ شخص آیا تو آپ نے بڑی نرمی سے اس سے بات چیت کی۔ میں نے پوچھا : یا رسول اللہؐ! ابھی تو آپ نے کیا فرمایا تھا پھر آپ نے اس سے گفتگو اتنی خوش اخلاقی سے کی؟ آپ نے جواب دیا : عائشہ! اللہ کے نزدیک وہ بدترین آدمی ہے جس سے لوگ اس کی بدزبانی کی وجہ سے بچیں یا اس کی بدزبانی کی وجہ سے اسے چھوڑ دیں۔

صحیح بخاری جلد ۷ باب لَمْ یَکُنِ النَّبِیُّؐ فَاحِشًا وَّلَا مُتَفَحِّشًا۔

اس قدر تبصرہ یہ دکھانے کے لیے کافی ہے کہ اہل سنت تقیہ کے جواز کے پوری طرح قائل ہیں — وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ تقیہ قیامت تک جائز رہے گا اور — جیسا کہ غزالی نے کہا ہے، ان کے نزدیک بعض صورتوں میں جھوٹ بولنا واجب ہے اور بقول رازی جمہور علماء کا یہی مذہب ہے — بعض صورتوں میں اظہار کفر بھی جائز ہے اور — جیسا کہ بخاری اعتراف کرتے ہیں بہ ظاہر مسکرانا اور دل میں لعنت کرنا بھی جائز ہے اور — جیسا کہ صاحب سیرۃ حلبیہ نے لکھا ہے، اپنے مال کے ضائع ہو جانے کے خوف سے رسول اللہؐ کی شان میں گستاخی کرنا بلکہ کچھ بھی کہہ دینا روا ہے۔ اور — جیسا کہ سیوطی نے اعتراف کیا ہے لوگوں کے خوف سے ایسی باتیں کہنا بھی جائز ہے جو گناہ ہیں۔

اب اہل سنت کے لیے اس کا قطعاً جواز نہیں کہ وہ شیعوں پر ایک ایسے عقیدے کی وجہ سے اعتراض کریں جس کے وہ خود بھی قائل ہیں اور جس کی روایات ان کی مستند حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں جو تقیہ کو نہ صرف جائز بلکہ واجب بتلاتی ہیں جن باتوں کے اہل سنت قائل ہیں، شیعہ ان سے زیادہ کچھ نہیں کہتے۔ یہ بات البتہ ہے کہ وہ تقیہ پر عمل کرنے میں دوسروں سے زیادہ مشہور ہو گئے ہیں۔ اور وجہ اس کی وہ ظلم و تشدد ہے جس سے شیعوں کو اموی اور عباسی دور میں سابقہ پڑا۔ اس دور میں کسی شخص کے قتل کر دیے جانے کے لیے کسی کا اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ "یہ بھی

شیعانِ اہلِ بیت میں سے ہے۔"

ایسی صورت میں شیعوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہیں تھا کہ وہ ائمۂ اہلِ بیت علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں تقیہ پر عمل کریں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

اَلتَّقِيَّةُ دِيْنِيْ وَدِيْنُ اٰبَائِيْ.

تقیہ میرا اور میرے آباء و اجداد کا دین ہے۔

اور یہ بھی فرمایا کہ

مَنْ لَا تَقِيَّةَ لَهٗ لَا دِيْنَ لَهٗ.

جو تقیہ نہیں کرتا، اس کا دین ہی نہیں۔

تقیہ خود ائمۂ اہلِ بیت کا شعار تھا، اور اس کا مقصد اپنے آپ کو اور اپنے پیروکاروں اور دوستوں کو ضرر سے محفوظ رکھنا، ان کی جانیں بچانا اور ان مسلمانوں کی بہتری کا سامان کرنا تھا جو اپنے معتقدات کی وجہ سے تشدد کا شکار ہوئے تھے، جیسے مثلاً عمار بن یاسرؓ۔ بعض کو تو عمار بن یاسرؓ سے بھی زیادہ تکلیف اٹھانی پڑی۔

اہلِ سنّت ان مصائب سے محفوظ تھے کیونکہ ان کا ظالم حکمرانوں کے ساتھ مکمل اتحاد تھا۔ اس لیے انھیں نہ قتل کا سامنا کرنا پڑا، نہ لوٹ کھسوٹ کا، نہ ظلم وستم کا۔ اس لیے یہ قدرتی امر ہے کہ وہ نہ صرف تقیہ کا انکار کرتے ہیں بلکہ تقیہ کرنے والوں پر طعن و تشنیع بھی کرتے ہیں۔ دراصل بنی امیہ اور بنی عباس کے حکمرانوں نے تقیہ کی بنا پر شیعوں کو بدنام کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ ان ہی کی پیروی اہلِ سنّت والجماعت نے کی ہے۔

جب اللہ سبحانہٗ نے قرآن میں تقیہ کا حکم نازل فرمایا ہے اور جب خود رسول اللہؐ نے اس پر عمل کیا ہے، جیسا کہ بخاری کی روایت میں آپ پڑھ چکے ہیں اس کے علاوہ رسول اللہؐ نے عمار بن یاسرؓ کو اجازت دی کہ اگر کفار پھر ان پر تشدد کریں اور اذیت دیں تو جو کلماتِ کفر کفار کہلوانا چاہیں وہ کہہ دیں۔ نیز یہ کہ قرآن و سنّت پر عمل کرتے ہوئے علماء نے بھی تقیہ کی اجازت دی ہے تو پھر آپ ہی انصاف سے بتائیں کہ کیا اس کے بعد بھی شیعوں پر طعن کرنا اور ان پر اعتراض کرنا درست

ہے؟

صحابۂ کرام نے ظالم حکمرانوں کے عہد میں تقیہ پر عمل کیا ہے۔ اس وقت جبکہ ہر شخص کو جو علی بن ابی طالبؑ پر لعنت کرنے سے انکار کرتا تھا قتل کر دیا جاتا تھا حجر بن عدی کندی اور ان کے ساتھیوں کا قصہ تو مشہور ہے۔ اگر میں صحابہ کے تقیہ کی مثالیں جمع کروں تو ایک الگ کتاب کی ضرورت ہوگی۔ لیکن میں نے اہلِ سنّت کے حوالوں سے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ بحمد اللہ کافی ہیں۔

لیکن اس موقع پر ایک دلچسپ واقعہ ضرور بیان کروں گا جو خود میرے ساتھ پیش آیا۔ ایک دفعہ ہوائی جہاز میں میری ملاقات اہلِ سنّت کے ایک عالم سے ہوگئی ہم دونوں برطانیہ میں منعقد ہونے والی ایک اسلامی کانفرنس میں مدعو تھے۔ دو گھنٹے تک ہم شیعہ سنّی مسئلے پر گفتگو کرتے رہے۔ یہ صاحب اسلامی اتحاد کے داعی اور حامی تھے۔ مجھے بھی ان میں دلچسپی پیدا ہوگئی تھی لیکن اس وقت مجھے بڑا معلوم ہوا جب انھوں نے یہ کہا کہ شیعوں کو چاہیے کہ وہ اپنے بعض ایسے عقائد چھوڑ دیں جو مسلمانوں میں پھوٹ ڈالتے اور ایک دوسرے پر طعن و تشنیع کا سبب بنتے ہیں۔ میں نے پوچھا: مثلاً؟

انھوں نے بے دھڑک جواب دیا: مثلاً متعہ اور تقیہ۔

میں نے انھیں سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ متعہ تو جائز ہے اور قانونی نکاح کی ایک صورت ہے اور تقیہ اللہ کی طرف سے ایک رعایت اور اجازت ہے۔ لیکن وہ حضرت اپنی بات پر اڑے رہے اور میری ایک نہ مانے، نہ ہی میرے دلائل انھیں قائل کر سکے۔

کہنے لگے: جو کچھ آپ نے کہا ہے، ممکن ہے کہ وہ صحیح ہو، لیکن مصلحت یہی ہے کہ مسلمانوں کی وحدت کی خاطر ان چیزوں کو ترک کر دیا جائے۔

مجھے ان کی منطق عجیب معلوم ہوئی، کیونکہ وہ مسلمانوں کی وحدت کی خاطر اللہ کے احکام کو ترک کرنے کا مشورہ دے رہے تھے۔ پھر بھی میں نے ان کا دل رکھنے کو کہا: اگر مسلمانوں کا اتحاد اسی پر موقوف ہوتا تو میں پہلا شخص ہوتا جو یہ بات مان جاتا۔

ہم لندن ایئرپورٹ پر اُترے تو میں ان کے پیچھے چل رہا تھا۔ جب ہم ایئرپورٹ پولیس کے پاس پہنچے تو ہم سے برطانیہ آنے کی وجہ پوچھی گئی۔

ان صاحب نے کہا: میں علاج کے لیے آیا ہوں۔

میں نے کہا کہ میں اپنے کچھ دوستوں سے ملنے آیا ہوں۔

اس طرح ہم دونوں کسی دقت کے بغیر وہاں سے گزر کر اس ہال میں پہنچ گئے جہاں سامان وصول کرنا تھا۔ اس وقت میں نے چپکے سے ان کے کان میں کہا کہ: آپ نے دیکھا کہ کیسے تقیہ (نظریہ ضرورت) ہر زمانے میں کارآمد ہے؟

کہنے لگے: کیسے؟

میں نے کہا: ہم دونوں نے پولیس سے جھوٹ بولا۔ میں نے کہا میں دوستوں سے ملاقات کے لیے آیا ہوں، اور آپ نے کہا کہ میں علاج کے لیے آیا ہوں۔ حالانکہ ہم دونوں کانفرنس میں شرکت کے لیے آئے ہیں۔

وہ صاحب کچھ دیر مسکراتے رہے۔ سمجھ گئے تھے کہ میں نے ان کا جھوٹ سُن لیا۔

پھر کہنے لگے: کیا اسلامی کانفرنسوں میں ہمارا رُوحانی علاج نہیں ہوتا؟

میں نے ہنس کر کہا: تو کیا ان کانفرنسوں میں ہماری اپنے دوستوں سے ملاقات نہیں ہوتی؟

اب میں پھر اپنے موضوع پر واپس آتا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ اہلِ سُنّت کا یہ کہنا غلط ہے کہ تقیہ نفاق کی کوئی شکل ہے بلکہ بات اس کی اُلٹ ہے کیونکہ نفاق کے معنیٰ ہیں: ظاہر میں ایمان اور باطن میں کفر — اور تقیہ کے معنی ہیں ظاہر میں کفر اور باطن میں ایمان۔ ان دونوں باتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

نفاق کے متعلق اللہ سبحانہٗ نے فرمایا ہے:

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۔

جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی مومن ہیں اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں تو

کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو مذاق کررہے تھے۔

(سورۂ بقرہ - آیت ۱۴)

اِس کا مطلب ہوا: ایمانِ ظاہر + کفرِ باطن = نِفاق

تقیہ کے بارے میں اللہ سُبحانہٗ نے کہا ہے:

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ

"فرعون کی قوم میں سے ایک مومن شخص نے جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، کہا ....."

اس کا مطلب ہوا: کفرِ ظاہر + ایمانِ باطن = تقیہ

یہ مومن آلِ فرعون اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا جس کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں تھا، وہ فرعون اور دوسرے سب لوگوں کے سامنے یہی ظاہر کرتا تھا کہ وہ فرعون کے دین پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآنِ کریم میں تعریف کے انداز میں کیا ہے۔

اب قارئین باتمکین آیئے دیکھیں! خُود شیعہ تقیہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں تاکہ ان کے بارے میں جو غلط سلط باتیں مشہور ہیں، جو جھوٹ بولا جاتا اور طوفان اُٹھایا جاتا ہے، ہم اس سے دھوکا نہ کھانے پائیں۔

شیخ محمد رضا مظفر اپنی کتاب عقائدُ الامامیہ میں لکھتے ہیں:

تقیہ بعض موقعوں پر واجب ہے اور بعض موقعوں پر واجب نہیں۔ اس کا دارومدار اس پر ہے کہ ضرر کا کتنا خوف ہے۔ تقیہ کے احکام فقہی کتابوں کے مختلف ابواب میں علماء نے لکھے ہیں۔ ہر حالت میں تقیہ واجب نہیں۔ صرف بعض صورتوں میں تقیہ کرنا جائز ہے۔

بعض صورتوں میں تو تقیہ نہ کرنا واجب ہے، مثلاً اس صورت میں جب کہ حق کا اظہار، دین کی مدد، اسلام کی خدمت اور جہاد ہو۔ ایسے موقع پر جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کیا جاتا۔

بعض صورتوں میں تقیہ حرام ہے یعنی ان صورتوں میں جب

تقیہ کا نتیجہ خونِ ناحق ، باطل کا رواج یا دین میں بگاڑ ہو یا تقیہ کے باعث مسلمانوں کا سخت نقصان ہوتے ، مسلمانوں میں گمراہی پھیلنے یا ظلم و جور کے فروغ پانے کا اندیشہ ہو۔

بہرحال شیعوں کے نزدیک تقیہ کا جو مطلب ہے وہ ایسا نہیں کہ اس کی بنا پر شیعوں کو تخریبی مقاصد کی کوئی خفیہ پارٹی سمجھ لیا جائے ، جیسا کہ شیعوں کے بعض وہ غیر محتاط دشمن چاہتے ہیں جو صحیح بات کو سمجھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے ۔ (اہم غیر محتاط شیعوں سے بھی کہیں گے کہ)

اقوالِ غیر جو پئے اسلام ہیں مُضِر
اپنی زباں سے ان کی حکایت نہ کیجیے

اسی طرح تقیہ کے یہ بھی معنیٰ نہیں کہ اس کی وجہ سے دین اور اس کے احکام ایسا راز بن جائیں جسے شیعہ مذہب کو نہ ماننے والوں کے سامنے ظاہر نہ کیا جا سکے ۔ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ شیعہ علماء کی تصانیف خصوصاً ان کی فقہ ، احکام عقائد اور علم کلام سے متعلق کتابیں مشرق و مغرب میں ہر جگہ اتنی تعداد میں پھیلی ہوئی ہیں کہ اس سے زیادہ تعداد کی کسی مذہب کے ماننے والوں سے توقع نہیں کی جا سکتی ۔

اب آپ خود دیکھ لیجیے کہ دشمنوں کے خیال کے برخلاف یہاں نہ نفاق ہے نہ مکر و فریب ، نہ دھوکا ہے نہ جھوٹ !

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

محمد تیجانی سماوی تیونسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقیہ

معرکۃ الآراء موضوعِ بحث

شیعوں اور اہلسنت حضرات کے درمیان تقیہ سے زیادہ کوئی مسئلہ سوءِ تفاہم کا باعث نہیں اور اہل سنت حضرات کی نظروں میں تقیہ سے زیادہ کوئی دوسرا مسئلہ پردہ خفا میں نہیں۔

ہمارے سنی بھائی ہمیشہ ہم سے یہی کہتے ہیں کہ آپ جس قدر چاہیں اپنے عقیدے کی وضاحت کریں اور چاہے جتنا کہیں کہ ہم قرآن میں کسی تحریف کے قائل نہیں اور ہمارے تمام گھروں اور شہروں میں قرآن موجود ہے اور وہی قرآن ہے جو دوسرے مسلمانوں کے پاس ہے۔ لیکن ہم آپ کی اس بات پر یقین نہیں کرتے ۔ اس لئے کہ ممکن ہے آپ اس میں تقیہ سے کام لے رہے ہوں۔

چونکہ تقیہ آپ کے نزدیک اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔

اسی طرح جب دوسرے اسلامی مسائل کے سلسلہ میں ہم ان سے (اہل سنت حضرات سے) گفتگو کرتے ہیں اور اپنے عقائد کو کہ جن کی بنیاد قرآن و سنت اور کلمات اہلبیت علیہم السلام پر استوار ہے بیان کرتے ہیں تو ان کا جواب وہی ہوتا ہے۔ (کہ ممکن ہے آپ تقیہ کر رہے ہوں)۔

یہ صورت حال اس امر کی غمازی کرتی ہے کہ اہل سنت حضرات کما حقہ تقیہ کے معنی اور

مفہوم سے آگاہ نہیں۔ اور یہ کہ تقیہ کا ان کے نزدیک کوئی اور مفہوم ہے۔ نیز یہ کہ ان کو یہ معلوم نہیں کہ تقیہ کی بنیاد قرآن وسنت ہے۔ کلام خدا میں صریح آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں اور سنت پیغمبر اکرمؐ میں بھی تقیہ مشہور ہے اور آنحضرتؐ کے برجستہ صحابیوں نے اس قانون پر عمل کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تقیہ کا انکار قرآن وسنت کا انکار ہے۔ تقیہ کا وجود نہ صرف قرآن وسنت میں ہے بلکہ دنیا بھر کے عقلمندوں کے نزدیک تقیہ ایک جانی پہچانی عقلی اصل (روش) ہے اور انسانیت کے ہر سماج میں اس کا وجود شاہد ہے۔

اس کتاب کا مقصد ہی ان مسائل کو واضح کرنا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ اسلامی قانون یعنی تقیہ اپنے صحیح روپ میں دنیا کے سامنے روشن ہو جائے۔ تاکہ صحیح اور تحریف شدہ تقیہ کے مفہوم میں تمیز کی جا سکے۔ اور اہل سنت حضرات جو شیعوں کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہیں اس کا ازالہ ہو سکے۔

ہماری طرف سے اس کتاب کی نشر واشاعت اتمام حجت ہے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ اس کے مطالعے کے بعد کسی کے پاس خداوند عالم کی بارگاہ میں کوئی عذر نہیں رہ جاتا کہ وہ اہلبیت علیہم السلام کے ماننے والوں پر اعتراض کرے اور بلاوجہ کیچڑ اچھالے۔ اس لئے کہ اس کتاب میں تقیہ کے صحیح معنی، قرآن مجید اور تاریخ واحادیث میں اس پر دلالت کرنے والی آیتوں اور روایتوں پر بہترین انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

خداوند متعال ہم سب کو اسلامی قوانین اور سنت پیغمبر اکرمؐ پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حوزہ علمیہ قم

ناصر مکارم شیرازی
۳ جمادی الاولی سنہ ۱۴۱۳ ہجری

مقدمۂ مترجم

بسم اللہ الرحمن الرحیم —— قال الامام جعفر ابن محمد الصادق علیہ السلام

"من لا تقیہ لہ، لا دین لہ۔"

تاریخ مذاہب گواہ ہے کہ جتنے مظالم شیعہ مذہب والوں پر ڈھائے گئے شاید ہی کسی مذہب کے ماننے والوں پر اتنے مظالم ڈھائے گئے ہوں۔ اس کے باوجود شیعہ زندہ ہیں، تابندہ ہیں اور زندہ وتابندہ رہیں گے۔ اس حقیقت کا راز یہ ہے کہ جیسے رہبر شیعوں کو ملے اس شان کے رہبر دنیا کے کسی دوسرے مذہب والوں کو نہیں ملے۔ اور ان عظیم رہبروں نے اتنا جامع اور ہمہ گیر قانون حیات شیعوں کو دیا کہ دنیا کے کسی مذہب کے پاس ایسا قانون نہیں۔ یہ قانون ہر حال میں زندگی بخش اور حیات آفریں قانون ہے۔ ظلم کے خلاف آواز اٹھانا بھی سکھاتا ہے اور ظالم کے سامنے اپنی ہویت ظاہر نہ کر کے زندگی گزارنے کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں انسان کو مکمل تحفظ ملتا ہے وہ قانون ہرگز انسان کے حق میں مفید نہیں ہو سکتا جو انسان کو تحفظ نہ دے سکے۔ یہ اور بات

ہے کہ تحفظ کی نوعیتیں مختلف ہیں۔ جس طرح کبھی کبھی سر کٹا دینا تحفظ کے منافی نہیں ہوتا اسی طرح بسا اوقات سر بچا لینا تحفظ کا مصداق نہیں بن پاتا۔ اور یہ حقیقت آشکار بھی ہے اور مضمر بھی۔

اسلام کے ایسے ہی قوانین کے مجموعے میں سے ایک قانون کا نام تقیہ ہے۔ اور چونکہ اسلام دین فطرت ہے لہذا تقیہ بھی قانون فطرت ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ تقیہ کی مخالفت اسلام کی مخالفت ہے اور اسلام کی مخالفت کفر ہے۔

تعجب عوام پر نہیں بلکہ مسلمانوں کے ان دانشور نماؤں پر ہے کہ جو تقیہ کا انکار کرنے والوں کو مورد الزام اور مقصر ٹھہرانے کے بجائے اس قانون فطرت کے ماننے والوں کو مقصر خیال کرتے ہیں۔ اور وہ بھی صرف زبانی لن ترانیوں کے ساتھ وگرنہ ان کی عملی زندگی میں قدم قدم پر تقیہ نظر آتا ہے حتی اپنے خانگی معاملات تک میں وہ تقیہ پر عمل کرتے نظر آتے ہیں۔ چونکہ کذب سے بچنے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔

زیر نظر کتاب میں تقیہ کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اصل کتاب میں اگرچہ تقیہ کو ایک فقہی قاعدے کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود تقیہ کے علل و اسباب کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور بے موقع و محل کی جانے والی الزام تراشیوں کا دفاع بھی ہے۔

تاریخ و حدیث سے تقیہ کے متعدد نمونے پیش کئے گئے ہیں اور قرآن کی کئی آیات سے استدلال و استنباط کیا گیا ہے۔

اس کے باوجود میں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوں کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد تمام متعصب راہ راست پر آجائیں گے۔ البتہ وادئ تحقیق کی پرخار راہوں پر سفر کرنے والے منزل کا پتہ پا سکتے ہیں۔ ایسے ہی افراد کی تنویر افکار کے لئے ہم تقیہ کے بارے میں مسلمانوں کے معتبر مفسرین کی آراء نقل کرتے ہیں۔

۱۔ فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں (الا ان تتقوا منھم تقاۃ) کی تفسیر میں تقیہ کے متعلق احکام میں سے بعض کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ اگر انسان کفار کے درمیان پھنس جائے اور جان کا خوف ہو تو وہ زبانی طور پر مدارات کر سکتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ نہ صرف زبان سے دشمنی کا اظہار نہ کرے بلکہ اس سے بالاتر ذو معنی الفاظ میں ان سے دوستی اور رفاقت کا اظہار کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ باطنی طور پر اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو۔

اس کے بعد چوتھے حکم کے ذیل میں لکھتے ہیں:۔

ظاھر الآیۃ یدل ان التقیۃ انما تحل مع الکفار الغالبین الا ان مذھب الشافعی رضی اللہ عنہ ان الحالۃ بین المسلمین اذا شاکلت بین المسلمین والکافرین حلت التقیۃ محاماۃ علی النفس۔

آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقط غلبہ رکھنے والے کافروں سے تقیہ جائز ہے۔ لیکن شافعیؒ کے نزدیک اگر مسلمانوں سے بھی جان کا خطرہ ہو تو تقیہ جائز ہے۔

پانچواں حکم:۔

التقیۃ جائزۃ لصون النفس، وھل ھی جائزۃ لصون المال؟ یحتمل ان یحکم فیھا بالجواز لقولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "حرمۃ مال المسلم کحرمۃ دمہ" ولقولہ (ص) من قتل دون مالہ فھو شہید[1]

ترجمہ: جان بچانے کے لئے تقیہ جائز ہے۔ لیکن کیا مال کی حفاظت کی خاطر بھی

۱۔ تفسیر الفخر الرازی ۸/۱۳۔

جائز ہے یا نہیں ؟ ۔ احتمال یہ ہے کہ جائز ہو۔ اس لئے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا "مسلمان کی جان کی طرح اس کا مال بھی محترم ہے۔ اس کے علاوہ فرمایا جو اپنے مال کے دفاع میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔

۲۔ زمخشری اسی آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ خدا نے اس صورت میں کفار و مشرکین سے دوستی برقرار رکھنے کی چھوٹ دی ہے جب ان سے جان کا خطرہ ہو۔[۱]

۳۔ نسفی کی تفسیر میں ملتا ہے "الّا ان تتقوا منهم تقاة" یعنی جب کافروں کو غلبہ حاصل ہو اور مسلمانوں کو جان و مال کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں دوستی ظاہر کرنا اور دشمنی کو پوشیدہ رکھنا جائز ہے۔[۲]

۴۔ خازن لکھتے ہیں، ۔ صرف قتل ہو جانے سے بچنے کے لئے تقیہ جائز ہے۔ بشرطیکہ نیت سالم ہو۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے[۳]۔ " الّا من اکره وقلبه مطمئن بالایمان" سورہ ۱۶ آیہ ۱۰۶۔

۵۔ نیشاپوری " فلا تخشوهم واخشون " کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خوف کی حالت میں تقیہ جائز ہے۔[۴]

۶۔ خطیب شربینی کو ملاحظہ فرمائیے۔ "الا من اکره" یعنی جسے کفر کے اظہار پر

۱۔ تفسیر الکشاف ج ۱ ص ۴۲۲

۲۔ تفسیر النسفی۔ حاشیہ تفسیر خازن ج ۱ ص ۲۷۷

۳۔ تفسیر الخازن ج ۱ ص ۲۷۷

۴۔ تفسیر غرائب القرآن ج ۳ ص ۱۷۸

مجبور کیا جائے اور وہ ایسا کرے۔ "وقلبه مطمئن بالایمان" اور اس کا دل ایمان سے سرشار ہو۔ تو اس نے کچھ برا نہیں کیا۔ اس لئے کہ ایمان کا مسکن دل ہوا کرتا ہے۔[۱]

۷۔ طبری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ الّا ان تتقوا منهم تقاة ۔ کے ذیل میں ابو العالیہ رقمطراز ہیں۔ تقیہ زبان سے ہوتا ہے عمل سے نہیں ہوتا

اس کے بعد اسی آیت کے ذیل میں ضحاک کا قول نقل کرتے ہیں۔ تقیہ زبان سے ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص کو ایسی بات کہنے پر مجبور کیا جائے جس میں خدا کی نافرمانی ہو اور وہ جان بچانے کیلئے کہہ دے۔" وقلبه مطمئن بالایمان" مگر اس کا دل ایمان سے لبریز ہو تو وہ گنہگار نہیں۔[۲]

۸۔ حافظ ابن ماجہ لکھتے ہیں، ایسی حالت میں تقیہ جائز ہے۔ اس لئے کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے۔ "الّا من اکره وقلبه مطمئن بالایمان"۔[۳]

۹۔ اسی آیت کی تفسیر میں قرطبی لکھتے ہیں۔ "حسن کا قول ہے کہ تقیہ انسان کے لئے قیامت تک جائز ہے۔[۴]

اس کے بعد قرطبی کہتے ہیں۔" اہل عالم کا اتفاق ہے جس شخص کو کفر بکنے پر مجبور کیا جائے اور وہ "قتل سے بچنے کے لئے ظاہراً کافر ہو جائے لیکن اس کے دل میں ایمان ہو تو نہ وہ گناہ گار رہو گا اور

۱۔ تفسیر السراج المنیر ج ۲ ص ۲۳۳۔

۲۔ جامع البیان ج ۳ ص ۱۵۳۔

۳۔ سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۵۳

۴۔ جامع احکام قرآن ج ۴ ص ۵۷۔

خدا اس کی بیوی اس سے الگ ہوگی اور اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔ یہ مالک شافعی اور کوفیوں کا قول ہے۔[۱]

۱۰۔ اس آیت کی تفسیر میں آلوسی لکھتے ہیں : آیت تقیہ کے مشروع ہونے پر دلالت کرتا ہے۔[۲]

۱۱۔ جمال الدین قاسمی کا بیان ہے آیۂ "الا ان تتقوا منھم تقاۃ" سے تمام آئمہ نے استنباط کیا ہے کہ خوف کے وقت تقیہ مشروع ہے۔

چنانچہ ابوہریرہ نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا سے دو دعائیں یاد کی ہیں۔ ایک دعا کو میں نے تمام لوگوں کو بتلایا ہے لیکن دوسری دعا کو نہیں بتلایا اس لئے کہ اگر بتا دیتا تو میری گردن مار دی جاتی۔[۳]

۱۲۔ مراغی نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل یہ رقم کیا ہے۔ مومنوں کو ہر حالت میں کافروں سے قطع روابط کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر ان سے کسی قسم کا خوف ہو تو اس کا ازالہ تقیہ کے ذریعہ ضروری ہے۔ اس لئے کہ قاعدۂ شرعیہ یہ ہے کہ منافع حاصل کرنے سے پہلے نقصانات کا ازالہ کرنا چاہیئے۔

لہٰذا جب نقصان سے بچنے کے لئے کافروں کے ساتھ دوستی کرنا جائز ہے تو تمام مسلمانوں کے منافع کے لئے بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔

دین اور دیانت کے پابند روشن فکر مسلمانوں سے یہ توقع ہے کہ اتنے حوالے اہل سنت کی تفاسیر میں ملاحظہ فرمانے کے بعد تقیہ کی بنا پر شیعہ کو خالص اسلام کے مخلص ماننے والوں کو برا بھلا نہیں کہیں گے۔ بلکہ ان کی روشن دلیلوں کے ذریعہ دین حق اور صراط مستقیم پر چلنے کی کوشش کریں گے۔

ممکن ہے کہ بعض ذہنوں میں یہ غلط فہمی پیدا ہو جائے کہ یہ کتاب لکھنے اور ترجمہ کرنے کا مقصد

۱۔ جامع احکام قرآن جلد ۱۰ ص ۱۸۲

۲۔ روح المعانی جلد ۳ ص

۳۔ محاسن التاویل جلد ۴ ص ۱۸۳ ۔ طبع مصر۔

اہل سنت حضرات کو ان کے مذہب سے بدلنا ہے۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے عرض ہے کہ کتاب کا مقصد کسی کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا ہرگز نہیں بلکہ اس کا مقصد حق کو واضح کرنا ہے۔ "لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحیی من حی عن بینۃ۔" صرف کتابیں پڑھ لینے سے کوئی شیعہ نہیں بن جاتا بلکہ "ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء"[۱]

وگرنہ جب یہ کتاب نہیں لکھی گئی تھی تب بھی لوگ شیعہ مذہب اختیار کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔

ہماری اس کتاب سے اصل غرض یہ ہے کہ علمائے اسلام اپنی فکری صلاحیتوں کو ان فروعی مسائل میں الجھا کر برباد نہ کریں بلکہ انہیں اپنے مشترکہ دشمن کے ظاہری اور باطنی ہتھکنڈوں سے بچنے کے لئے استعمال کریں۔

اسی طرح جو لوگ اہل تحقیق اور حق جو ہیں ان کو کھلی آزادی دیں تاکہ وہ فتووں کے خوف سے بے خطر ہو کر وادئ تحقیق میں قدم رکھیں اور اپنی قسمت کا فیصلہ خود کریں۔

خداوند متعال ہم سب کو دین اسلام اور مستضعف و بے چارے مسلمانوں کی حمایت میں اپنی فکری اور عملی توانائیوں کو صرف کرنے کی توفیق عطا فرمائے

آخر میں ناشر گرامی جناب انصاریان صاحب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جو تن، من، دھن سے دین اسلام اور فقہ جعفری کی خدمت کر رہے ہیں۔ خدائے سبحان موصوف کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

۱۔ سورۂ جمعہ۔

پروردگار عالم جملہ مومنین و مومنات کو حفظ و امان میں رکھے اور ہمارے امام زمانہ کے ظہور میں تعجیل فرمائے۔

آمین یا رب العالمین

۳ شعبان المعظم ۱۴۱۳ ہجری
قم المقدسہ ایران

حرف آغاز

تقیہ ایک عرصہ سے جہاں ہماری پہچان رہا ہے اس کے ساتھ ہی اس کی بنا پر ہمیں بدنام کرنے کی کوشش بھی کی جاتی رہی ہے۔ جس کا سبب اس کے حقیقی معنی اور موارد جواز و حرمت سے ناآگاہی اور حکم عقل و نقل سے غفلت کے علاوہ کچھ نہیں۔

تقیہ دین کی ضرورت ہے اور اس کا مذہب و دین سے دوہرا تعلق ہے۔ ایک طرف بہت سے فروعی مسائل فقہ کی بنیاد اس پر استوار ہے تو دوسری طرف اس کا تعلق عقائد و کلام سے بھی ہے یہی وجہ ہے کہ جو اس کی حقیقت اور اس کے موارد سے غافل ہیں وہ اسی کو اس کے ماننے والوں کا کمزور پہلو قرار دیتے ہیں۔

اگرچہ ہم اس کے بارے میں ایک فقہی قاعدہ کی حیثیت سے بحث کر رہے ہیں لیکن دوران بحث ہم اس کے دوسرے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالیں گے۔ تاکہ مخالفین کے ان اعتراضات کا کہ جو "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کی حیثیت رکھتے ہیں جواب دے سکیں اور اس طرح کے تمام شبہات کی طرح اس کو بھی دور کر سکیں جو ہم سے دوری، عدم اتصال اور ہمارے

اور ہمارے عقاید کو ہم سے نہ لینے بلکہ ایسی کتابوں سے اخذ کرنے کی بنا پر پیدا ہو گئے ہیں جو ہمارے خلاف بہتان تراشیوں اور خرافات سے پر ہیں۔ یہ الزامات یا تو قومی اور مذہبی تعصبات کی بنا پر ہم پر لگائے گئے ہیں، یا پھر مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ایجاد کرنے اور بغض و کینہ کا بیج بونے اور ان کو آپس میں دست و گریباں کر کے کمزور کرنے کے لئے یہ تعصبات منافقوں نے پھیلائے ہیں تاکہ مسلمانوں کا رعب و دبدبہ جاتا رہے۔ جیسا کہ قرآن میں خدا کا ارشاد ہے۔

بہر حال ہم تقیہ کو چند مراحل میں تقسیم کر کے مورد بحث قرار دیں گے

اول۔ تقیہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی

دوم۔ تقیہ کا حکم تکلیفی۔ یعنی آیا تقیہ جائز ہے یا حرام؟ اگر جائز ہے تو کس مورد میں جائز ہے اور کہاں جائز نہیں۔؟ اور اس کی دلیلیں ہر مورد میں کیا ہیں۔؟ اس کے علاوہ ہم تقیہ کی دو قسموں یعنی خوفی اور تحبیبی پر بھی روشنی ڈالیں گے۔

دوران بحث ہم اس سوال کا بھی جواب دیں گے کہ صدر اول، بنی امیہ اور بنی عباس کے ادوار میں رشید ہجری اور میثم تمار جیسے رجال تاریخ نے کیوں تقیہ کو چھوڑ کر شہادت کا شیریں جام نوش فرمایا؟ اور کیا ایسے مواقع پر ان کی پیروی ہمارے لئے ممکن ہے یا نہیں۔؟

تیسرے مرحلہ میں۔ ہم اس کے حکم وضعی کو زیر بحث لائیں گے کہ آیا تقیہ صرف مخالف مذہب کے مقابلہ میں ہوتا ہے یا کافر اور منافق کے مقابلہ میں بھی اس سے استفادہ کیا جاتا ہے؟ اور آیا تقیہ صرف احکام سے متعلق ہے یا موضوعات میں بھی ہوتا ہے۔؟ ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ تقیہ کا سبب آیا خوف شخصی ہے یا خوف نوعی۔؟ آیا تقیہ کی مخالفت فساد عمل کا باعث بنتی ہے یا نہیں۔ یہ اور ان کے علاوہ امور میں۔ ان سب کو ہم تنبیہات میں ذکر کریں گے ہم خدا سے تمام امور میں حق کی طرف ہدایت اور توفیق کے طلبگار ہیں۔ اِنّہٗ قریبٌ مجیبٌ۔

تقیہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی

تقیہ لغت میں "اتقی یتقی" کا مصدر ہے۔ اسم مصدر نہیں جیسا کہ شیخ انصاری نے فرمایا ہے۔ بلکہ اسم مصدر تقوی ہے...... چنانچہ محقق فیروز آبادی "قاموس" میں فرماتے ہیں "اتقیت الشی و تقیتہ یعنی حذرتہ" "میں فلاں چیز سے بچا" گویا کسی بھی چیز سے بچنے کو تقیہ کہا جاتا ہے۔

بنا بر این تقیہ کے ان معنی کا دائرہ جو فقہ، اصول اور علم کلام میں بیان ہوتے ہیں لغوی معنی کی بہ نسبت تنگ ہے۔ اس سلسلہ میں علماء کرام کی جو عبارتیں اور مضامین ہم تک پہنچے ہیں وہ مختلف ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ علماء کے درمیان تقیہ کی حقیقت و مفاد کے بارے میں اختلاف ہے۔ بلکہ اس کی حقیقت پر سبھی متفق ہیں۔ بطور نمونہ چند عبارتیں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "تصحیح الاعتقاد" میں تقیہ کی تعریف یوں بیان کی ہے۔ حق اور عقیدہ حقہ کو مخالفین سے پوشیدہ رکھنا اور جن چیزوں کے اظہار سے دینی اور دنیاوی نقصان کا اندیشہ ہو ان کے ظاہر کرنے سے پرہیز کرنا۔[1]

۲۔ شہیدؒ اپنی "قواعد" میں فرماتے ہیں۔ لوگوں کے شر سے بچنے کے لئے معروف و منکر میں ان کے شانہ بشانہ چلنے کو تقیہ کہتے ہیں۔

۳۔ علامہ شیخ انصاریؒ اپنے رسالہ "التقیۃ" میں رقمطراز ہیں "تقیہ سے مراد اپنے کو نقصان سے محفوظ رکھنے کے لئے قول و فعل میں مخالف حق غیر کی موافقت کرنا۔"

۴۔ علامہ شہرستانی [illegible] شیخ مفید کی کتاب "اوائل المقالات" کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ اگر کسی امر دینی کے اظہار میں خوف ضرر ہو تو اسے پوشیدہ رکھنا تقیہ کہلاتا ہے۔[2]

اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ تعریفوں میں سے بعض کا دائرہ وسیع ہے اور بعض کا تنگ ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ کے معنی کی وضاحت کے پیش نظر کسی نے بھی اس کی جامع افراد اور مانع اغیار تعریف کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ اسی لئے کسی نے دوسرے کی تعریف پر اعتراض بھی نہیں کیا ہے۔

ہم جس چیز کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ۔ تقیہ ہر اس جماعت کے لئے ایک سپر ہے جس پر اکثریت کا غلبہ ہو اور وہ اکثریت اس اقلیت کو اظہار عقیدہ اور اس کے مطابق عمل

۱۔ التقیۃ کتمان الحق وستر الاعتقاد ومکاتمۃ المخالفین وترک مظاهرتهم بما یعقب ضررا فی الدین والدنیا۔ تصحیح الاعتقاد ص ۶۶۔

۲۔ اوائل المقالات ص ۹۶۔

کرنے کی اجازت نہ دیتی ہو تو وہ اقلیت اپنے مال و ناموس کو متعصب مخالفوں کی دست برد اور غارت گری سے محفوظ رکھنے کے لئے فطرت کے عین مطابق کبھی تو تقیہ کا سہارا لیتے ہیں۔ کہ جب حفظ ناموس و اموال اظہار حق کی بہ نسبت اہم ہوتا ہے۔ اور جب وہ سمجھتے ہیں کہ اظہار حق زیادہ ضروری ہے تو تقیہ کو ترک کرتے ہوئے ہر طرح کا نقصان برداشت کرتے ہیں اور آخر کار موت کو گلے لگا لیتے ہیں۔ چنانچہ جب انسان ایسے دوراہے پر کھڑا ہو جس کے ایک طرف اہم اور دوسری طرف مہم ہو تو عقل بھی اہم کو اختیار کرنے کا حکم دیتی ہے اور اسی کا نام تقیہ ہے۔ جو حکم عقل کے عین مطابق ہے۔

لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ نہ فقط شیعہ تقیہ کرتے ہیں اور نہ ہی تقیہ شیعوں سے مخصوص ہے اگرچہ مشہور یہی کر دیا گیا ہے۔ بلکہ دنیا میں ہر وہ قوم تقیہ کرتی ہے جو شیعوں جیسی مصیبتوں میں مبتلا ہو شیعوں کے ساتھ تقیہ اس لئے مشہور کر دیا گیا ہے کہ اکثر زمانوں میں تقریباً ہر جگہ ظالم مخالفوں کی سلطنت رہی ہے۔ چنانچہ کوئی بھی اقلیت جب ایسی موقعیت میں ہو تو تقیہ اس کی تاریخ میں ثبت ہو جاتا ہے۔

آیات اور بہت سی احادیث شاہد ہیں کہ ایسے ہی حالات میں مومن آل فرعون اور اصحاب کہف نے تقیہ کو حفظ دین کا وسیلہ بنایا۔ بلکہ بعض وجوہ کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ بت پرستوں کی کٹ حجتی کے مقابلہ میں حضرت ابراہیمؑ اور اپنے بھائیوں کے ساتھ مکالمہ میں حضرت یوسفؑ نے تقیہ سے کام لیا ہے۔

تقیہ کا حکمِ تکلیفی

اصحاب ائمہ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ تقیہ کی پانچ قسمیں ہیں۔ واجب، حرام، مستحب مکروہ اور مباح۔ ہماری تحقیق بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

ہم اپنی بحث کا آغاز جواز تقیہ سے کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس کی حرمت اور پھر استحباب وکراہت کو بیان کریں گے۔..... اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض موقعوں پر تقیہ جائز ہے جس کی دلیل اجماع وآیات قرآن کے علاوہ احادیث متواترہ اور عقل سلیم ہیں پہلے ہم آیات کو ذکر کرتے ہیں۔..... چنانچہ سورۂ آل عمران میں ارشاد رب العزت ہے۔ لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین ومن یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شئی الا ان تتقوا منھم تقاۃ ویحذرکم اللہ نفسہ والی اللہ المصیر۔ (آیت ۲۸)

ترجمہ:۔

مومن مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو ولی نہ بنائیں جو بھی ایسا کرے گا اس کا خدا سے

کوئی رابطہ نہ ہوگا۔ لیکن اگر ان سے خطرہ لاحق ہو تو ایسا کر سکتے ہیں (یعنی تقیہ کرتے ہوئے ان کو دوست بنا سکتے ہیں۔ اور ان سے مدد لے سکتے ہیں۔.......) اسی طرح کی ایک اور آیت ہے جس میں ارشاد ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیھم بالمودۃ وقد کفروا بما جائکم من الحق[1] اس آیت میں بھی کافروں کو ولی بنا کر ان کے ساتھ رشتہ مودت برقرار کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ اسی قسم کی بات ایک اور آیت میں ہے۔ لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ[2]

ترجمہ:۔

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والی کوئی بھی قوم ان کے دشمنوں سے مودت نہیں رکھ سکتی...... یہاں تک ذکر کرنے کے بعد تقیہ کی حالت کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے یعنی تقیہ کی حالت میں ان کو ولی بنانا اور ان سے مودت رکھنا جائز ہے۔ اگرچہ حکم اولی کے تحت ایسا کرنا حرام ہے........ اس میں کوئی شک نہیں کہ لفظ تقاۃ سے مراد تقیہ ہے۔ اور تقیہ اور تقاۃ دونوں ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ بلکہ "حسن" اور "مجاہد" کی قراءتوں میں "تقاۃ" کے بجائے تقیہ ہے۔...... امین الاسلام طبرسی مجمع البیان میں آیت کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کفار غلبہ رکھتے ہوں اور اہل ایمان مغلوب ہوں اور کفار

۱۔ سورۂ ممتحنہ ع ۱۔

۲۔ سورۂ مجادلہ آیت ۲۲۔

کے ساتھ حسن معاشرت اور موافقت نہ رکھنے کی صورت میں مومنوں کو خوف لاحق ہو تو تقیہ کرتے ہوئے زبانی طور پر اظہار مودت و مدارات جائز ہے ۔ لیکن دلی اعتقاد نہیں ہونا چاہیے ...... چنانچہ اگر نفس کو جان کا خطرہ ہو تو آیت اس وقت دین میں تقیہ کے جواز پر دلالت کرتی ہے ۔ اسی بنا پر اصحاب تشیع ضرورت کے وقت ہر طرح کے اقوال میں تقیہ کو جائز قرار دیتے ہیں ۔ اور کبھی لطف و خیر خواہی کے عنوان سے تقیہ اقوال میں واجب ہو جاتا ہے ۔ اور افعال میں اگر تقیہ قتل مومن اور دین میں فساد کا باعث بنے تو جائز نہیں ہے [1]

شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسیؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں ؛ جان کے خوف پر تقیہ ہمارے نزدیک واجب ہے ۔ اگرچہ اظہار حق کا جواز بھی روایت میں آیا ہے ...... بلکہ چنانچہ حسن روایت کرتے ہیں کہ مسیلمہ کذاب نے حضرت رسالتؐ کے دو صحابیوں کو گرفتار کیا ، ایک سے پوچھا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں ۔ ؟ اس نے کہا " ہاں " ۔ مسیلمہ نے کہا " کیا تم شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں ۔ ؟ " صحابی نے کہا " ہاں " مسیلمہ کذاب نے دوسرے شخص کو بلایا اور اس سے پوچھا " کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں ۔ ؟ " اس شخص نے کہا " ہاں " ۔ مسیلمہ کذاب نے پوچھا " کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں ۔ ؟ " صحابی نے جواب دیا کہ میں بہرا ہوں ۔ مسیلمہ کذاب نے تین مرتبہ اس سے پوچھا مگر صحابی نے وہی جواب دیا ۔ تب مسیلمہ کذاب نے اسے قتل کر دیا ...... خبر رحمت دو عالم تک پہونچی تو آنحضرتؐ نے فرمایا مقتول نے صدق و یقین پر عمل کر کے فضیلت کا مقام حاصل کیا جو اس کیلئے مبارک ہو ......

۱۔ مجمع البیان جلد ۲ ص ۴۳۰ ۔

رہ گیا دوسرا شخص تو اس نے اللہ کی دی ہوئی چھوٹ سے استفادہ کیا ہے لہذا وہ معذور ہے ۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ تقیہ چھوٹ ہے جب کہ اظہار حق فضیلت ہے حالانکہ ہماری احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ واجب ہے اور اس کی مخالفت خطا ہے [1] یہ تھے شیخ الطائفہ ۔ لیکن ہم اپنے قارئین کو عنقریب بتائیں گے کہ بعض موقعوں پر تقیہ واجب ہے اور بعض پر جائز ۔ کچھ موارد ایسے ہیں کہ جہاں تقیہ مستحب ہے جب کہ کچھ موارد میں ترک تقیہ اور اظہار حق ضروری ہے ۔ اور چونکہ تمام روایات ایک ہی مورد کے لئے نہیں ہیں لہذا ان میں تعارض نہیں جو شیخ طوسی کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے ...... مختصر یہ کہ آیت بطور اجمال جواز تقیہ پر دلالت کرتی ہے ۔ بلکہ آیت میں عنوان تقیہ بطور واضح مذکور ہے ۔ اس لئے کہ تقیہ اور تقاۃ کے ایک ہی معنی ہیں اور آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ ایک سے زیادہ قاریوں نے " تقاۃ " کی جگہ " تقیہ " کی قرأت کی ہے ۔

اس قبیل کی ایک آیت سورۂ نحل میں ہے ۔ من کفر بالله بعد ایمانه الا من اکره و قلبه مطمئن بالایمان و لکن من شرح بالکفر صدرا فعلیهم غضب من الله و لهم عذاب عظیم ۔ (۱۰۶) اس آیت کے شان نزول میں مفسروں نے جن امور کو ذکر کیا ہے وہ آپس میں قریب المعنیٰ ہیں ۔ اگرچہ اشخاص و اماکن میں اختلاف ہے ۔

بعض تفسیروں میں ہے کہ مذکورہ آیت حضرت عمار ، ان کے والد یاسر اور والدہ سمیہ اور صہیب و بلال اور ر کی شان میں نازل ہوئی ہے ۔ کفار نے ان حضرات کو قید کر کے سخت اذیتیں دیں اور ان کو اسلام اور رسولؐ خدا سے بیزاری اور کلمۂ کفر جاری کرنے پر مجبور کیا ......

حضرت عمارؓ کے والدین نے صاف انکار کر دیا اور اسلام میں پہلے دو شہید ہونے کا شرف حاصل کیا

حضرت عمارؓ نے زبان سے وہ کیا جو کفار چاہتے تھے لیکن ان کا دل مطمئن تھا۔ اسی درمیان کچھ لوگوں نے حضورؐ کو بتایا کہ عمارؓ کافر ہو گئے۔ تو پیغمبرؐ نے فرمایا کہ عمارؓ سراپا ایمان ہیں۔ اور ایمان اس کے گوشت و خون میں مخلوط ہے۔ اتنے میں دیکھا کہ عمارؓ روتے ہوئے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا۔ عمارؓ تمہارے پیچھے کیا خبر ہیں۔؟ عرض کی یا رسول اللہ شر ہی شر ہے۔ مجھے مجبور کیا گیا کہ میں آپ سے بیزاری ظاہر کروں اور ان کے خداؤں کی تعریف کروں ..... آنحضرتؐ نے عمارؓ کے آنسو پونچھے اور فرمایا اگر دوبارہ مجبور کریں تو وہی کہو جو وہ چاہیں ..... اسی پر آیت نازل ہوئی۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت ابوجہل کے بھائی عیاش بن ابو ربیعہ اور ابی جندل وغیرہ کی شان میں اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے ان کو وہ کہنے پر مجبور کیا جو وہ چاہتے تھے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے ہجرت اختیار کی اور جہاد میں حصہ لیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

کچھ مفسرین کا بیان ہے کہ مکہ کے کچھ لوگ ایمان سے مشرف ہو کر جب مدینہ کی جانب روانہ ہوئے تو راستہ میں قریش نے ان کو اظہار کفر پر مجبور کیا۔ تو ان کے مجبوری میں ایسا کرنے پر آیت نازل ہوئی۔

لیکن ان میں پہلا قول زیادہ مشہور ہے ...... آیت کریمہ ضرورت کے وقت بطور تقیہ اظہار کفر کے جواز پر دلالت کرتی ہے جب انسان کا قصد کفر نہ ہو۔ اگرچہ آیت مقام اکراہ میں نازل ہوئی ہے اور تقیہ میں اکراہ معتبر نہیں ہے۔ بلکہ بغیر اکراہ کے بھی تقیہ جائز ہے۔ لیکن اگر دقت کی جائے تو اکراہ اور تقیہ کے ملاک میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لئے کہ دونوں کا ملاک ترک اہم کے ذریعہ ضرر اہم کا ازالہ ہے۔

یہ تو تھا آیت کے عنوان کے اعتبار سے۔ باعتبار دیگر اگرچہ مفاد آیت کفر و ایمان سے متعلق ہے۔ لیکن حکم آیت ان دونوں کے علاوہ میں بدرجہ اولیٰ جاری ہے۔ اس لئے کہ جب کفر و ایمان جیسے بنیادی مسئلہ میں تقیہ جائز ہے تو دیگر مسائل میں شرائط کی موجودگی میں قطعی طور پر جائز ہے۔ ....

چنانچہ محقق بیضاوی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ مجبوری میں یہ آیت کلام کفر کے جواز پر دلالت کرتی ہے اگرچہ دین کے اعزاز کی خاطر اس سے پرہیز کرنا افضل ہے۔ جیسا کہ حضرت عمارؓ کے والدین نے کیا۔ پھر انہوں نے حسن سے مروی گذشتہ روایت نقل کی ہے کہ جو ان دو افراد کے بارے میں ہے۔ جن کو مسیلمہ نے گرفتار کر کے اپنی نبوت کی جھوٹی گواہی دلوانی چاہی تھی ایک نے انکار کیا حضورؐ نے فرمایا کہ پہلے نے پروردگار عالم کی رخصت سے فائدہ اٹھایا جبکہ دوسرے نے حق کو بلند کیا اور وہ اسے مبارک ہو۔

اسی طرح کی ایک آیت سورۂ غافر میں ہے جس میں مومن آل فرعون کا ذکر ہے۔ "

وقال رجل مؤمن من آل فرعون یکتم ایمانه أتقتلون رجلا ان یقول ربی الله وقد جائکم بالبینات من ربکم ۞۔ غافر آیت ۲۸ ۔

یہ آیت اور اس کے بعد والی آیت مومن آل فرعون کا قصہ اور اپنی قوم کے سامنے ان کے احتجاج کو بیان کرتی ہے جس کو قرآن نے رضا و قبولیت کی زبان میں پیش کیا ہے۔ .... یہاں تک کہ " یکتم ایمانہ " کو بھی اسی انداز میں نقل کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر جان کا خطرہ لاحق ہو تو کتمان ایمان جائز ہے بیشک کتمان ایمان صرف ایمان کے ظاہر نہ کرنے سے ممکن نہیں بلکہ اس کے لئے ایمان کے خلاف بھی بولنا پڑتا ہے۔ خصوصاً ایسے موقع پر جب کتمان ایمان کا زمانہ مومن آل فرعون کی طرح طولانی ہو۔ اس وقت کفار کے ساتھ اعمال میں اشتراک اور ان کے مخصوص اعمال ترک کئے بغیر ممکن نہیں کہ انسان ایمان کو پوشیدہ رکھ سکے۔ ......

بہر حال یہ کہنا کہ کتمان ایمان کا مطلب حق کے خلاف کچھ کہے بغیر حق کا ظاہر نہ کرنا ہے تو یہ صرف زبانی دعویٰ ہو گا۔ خاص طور سے ابن عباس کی نقل کے مطابق اس وقت آل فرعون میں مومن آل فرعون جن کو حضرت موسیٰ نے مومن بنایا تھا اور فرعون کی بیوی کے بغیر کوئی مومن تھا ہی نہیں......

اب اگر کوئی شخص ایسے موقع پر خلاف ایمان عمل بجا لائے تو اسے تقیہ کہا جاتا ہے۔ اور آیت بطور اجمال اسی پر دلالت کرتی ہے...... چنانچہ طبرسی نے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: التقیۃ دینی ودین آبائی ولا دین لمن لا تقیۃ لہ، والتقیۃ ترس اللہ فی الارض لان مومن آل فرعون لو اظہر الاسلام لقتل[1]

مجمع البیان جلد ۸ ص ۵۲۱

ترجمہ:

تقیہ میرا اور میرے آباء و اجداد کا دین ہے جس کے پاس تقیہ نہیں اس کے پاس دین نہیں۔ یہ زمین پر اللہ کی سپر ہے۔ چنانچہ مومن آل فرعون اگر اسلام کو ظاہر کر دیتے تو قتل کر دیئے جاتے...... مذکورہ بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تینوں آیتیں جان کے خطرے کے وقت واضح طور پر تقیہ کو واجب قرار دیتی ہیں۔ روایات جو ہم ان شاء اللہ ذکر کریں گے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ موارد تقیہ بھی فقط وہی نہیں جو گذشتہ آیتوں میں بیان ہوئے بلکہ عمل اصحاب کہف اور شیخ الانبیاء حضرت ابراہیمؑ کا بت توڑنے کے بعد اپنی قوم کے سامنے جواب اور حضرت یوسفؑ کی اپنے بھائی کو اپنے پاس روکتے وقت بھائیوں سے گفتگو وغیرہ سب کچھ تقیہ پر مبنی تھا جس کے بارے میں ہم عنقریب عرض کریں گے کہ تقیہ صرف جان کے خطرے کے وقت حق کو چھپانے اور اس کے خلاف بولنے کا نام ہی نہیں بلکہ کچھ دوسرے مصالح کی بنا پر بھی اگر حق کو چھپایا جائے تو اسے تقیہ کہتے ہیں...... بہر کیف یہ تھا تقیہ کے جائز ہونے کے بارے میں قرآن کریم کا جلی اور روشن فیصلہ۔

احادیث تقیہ

مواقع خوف میں عمل تقیہ کے جواز پر دلالت کرنے والی احادیث کے متواتر ہونے میں شک نہیں۔ یہ احادیث چند حصوں میں منقسم ہیں۔ اور ہر ایک حصہ بعض خصوصیات تقیہ کے بارے میں ہے۔ مذکورہ احادیث بے شمار فوائد و لطائف پر مشتمل ہیں،...... جن میں تقیہ کے اسباب، نتائج، کیفیت، حدود، اقسام اور موارد وجوب و حرمت کے علاوہ ان مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جہاں تقیہ نہیں کیا جاتا۔

یہ احادیث "الوسائل" کی گیارھویں جلد کتاب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بہت سے ابواب میں مذکور ہیں۔ چنانچہ......

ہماری تقسیم کے مطابق یہ احادیث پانچ طائفوں پر مشتمل ہیں۔

پہلا طائفہ

ان احادیث پر مبنی ہے جو تقیہ کو مومن کے لئے سپر، حرز جان اور محافظ نفس قرار دیتی

ہیں۔ اس معنی کے تحت بہت ساری احادیث ہیں۔ جن میں سے بعض درج ذیل ہیں۔

۱۔ کلینی کافی میں اپنی سند کے ساتھ احمد بن مروان کے واسطہ سے ابی عبداللہ(ع) سے ناقل ہیں، آپ نے فرمایا میرے والد محترم فرمایا کرتے تھے کہ "تقیہ سے زیادہ کوئی چیز میری آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ تقیہ مومن کی سپر ہے۔"[۱]

۲۔ کافی میں کلینی عبداللہ ابن ابی عبداللہ ابن ابی یعفور سے روایت کرتے ہیں۔ ابی یعفور راوی ہیں کہ میں نے ابی عبداللہ(ع) کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔ "تقیہ مومن کے لئے سپر اور حرز جان ہے۔"[۲]

۳۔ کلینی نے کافی میں حریز کے حوالے سے ابی عبداللہ(ع) سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا "تقیہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان اس کی سپر ہے۔"[۳]

۴۔ سعد ابن عبداللہ نے بصائر الدرجات میں جمیل بن صالح کے واسطہ سے ابی عبداللہ(ع) سے نقل کیا ہے: "آپ نے فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار فرمایا کرتے تھے۔ تقیہ سے زیادہ کوئی چیز میری آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں۔ اس لئے کہ تقیہ مومن کی سپر ہے۔"[۴]

۱۔ عن ابی عبداللہ(ع) قال کان ابی یقول وای شئ اقر لعینی من التقیۃ ان التقیۃ جنۃ المومن ۔ وسائل جلد ۱۱۔

۲۔ قال سمعت ابا عبداللہ یقول ۔ التقیۃ ترس المومن والتقیۃ حرز المومن ۔ وسائل جلد ۱۱

۳۔ عن حریز عن ابی عبداللہ(ع) قال ۔ التقیۃ ترس اللہ بینہ وبین خلقہ۔ جلد ۴ باب ۲۳ الواب امر بالمعروف ۔

۴۔ عن جمیل بن صالح عن ابی عبداللہ(ع) قال انا ابی کان یقول ۔ ای شئ اقر لعینی من التقیۃ بقیہ صفحہ بعد پر۔

یہ روایات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ جس طرح انسان میدان جنگ میں دشمن کے وار سے محفوظ رہنے کے لئے سپر کا سہارا لیتا ہے اسی طرح حفظ نفس کے لئے تقیہ کا سہارا لے سکتا ہے اور چونکہ دشمن کے حملہ سے بچنے کے لئے سپر کا استعمال واجب ہے لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ تقیہ کے ذریعہ بھی دشمن سے مخفی رہنا واجب ہے۔ ..... اب اگر کوئی ان روایات کی وجوب تقیہ پر دلالت کو تسلیم نہ بھی کرے جب بھی جواز تقیہ پر ان کی دلالت سے انکار نہیں کر سکتا۔

دوسرا طائفہ۔

وہ روایات ہیں کہ جو تقیہ کے نہ ہونے کی صورت میں دین اور ایمان کی نفی کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ تقیہ دین ہے اور تقیہ کے بغیر دین ناقص ہے

۵۔ کلینی نے کافی میں اپنی سند کے ساتھ ابی عمر اعجمی سے روایت کی ہے۔ اعجمی کہتے ہیں مجھ سے ابو عبداللہ نے فرمایا "اے ابو عمر! دین کے دس حصوں میں سے نو حصے تقیہ میں ہیں اور جس کے پاس تقیہ نہیں اس کے پاس دین نہیں۔"[۱]

۶۔ علل الشرائع میں صدوق(رح) ابو بصیر سے ناقل ہیں کہ امام جعفر صادق(ع) نے فرمایا تقیہ خدائے عزوجل کا دین ہے۔ میں نے عرض کی اللہ کے دین میں سے ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں

صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ۔

ان التقیۃ جنۃ المومن ۔ ج ۳۴ ۔ باب ۲۳ ۔ الواب امر بالمعروف ۔

۱۔ عن ابی عمر الاعجمی قال ۔ قال ابو عبداللہ(ع) یا ابا عمر ان تسعۃ اعشار الدین فی التقیۃ ولا دین لمن لا تقیۃ لہ ۔ ج ۲ ۔ باب ۲۳ ۔ کتاب امر بالمعروف ۔

خدا کی قسم اللہ کے دین میں سے ہے۔ الخ[1]

۷۔ صدوق نے صفات الشیعہ میں ابان بن عثمان کے ذریعہ امام صادق سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: "جو تقیہ نہیں رکھتا وہ دین دار نہیں اور جس کے پاس ورع نہیں وہ ایمان دار نہیں ہے۔"[2]

۸۔ یہ وہ روایت ہے جس کو کلینی نے ابن ابی یعفور کے حوالے سے امام صادق سے نقل کیا ہے جس میں آپ نے فرمایا: "جس کے پاس تقیہ نہیں وہ ایمان نہیں رکھتا۔"[3]

ان کے علاوہ بھی بہت سی روایات ہیں۔

ان روایات سے بطور اجمال ظاہر ہوتا ہے کہ مقامات تقیہ میں تقیہ واجب ہے اور یہ کہ تقیہ دین کے اہم اور عمدہ مسائل میں سے ہے۔ عنقریب ہم اس کی تاکید کی علت بیان کریں گے اور اگر اس کی حدود و شرائط کی رعایت کی جائے تو تقیہ فطری امر ہے جس کی گواہی ہر انسان کا ضمیر دیتا ہے۔

تیسرا طائفہ:

اس طائفہ کی روایات یہ بتاتی ہیں کہ تقیہ عظیم ترین فرائض میں سے ہے۔ اللہ کے

۱۔ عن ابی بصیر قال ابو عبد اللہ: التقیۃ دین اللہ عزوجل. قلت من دین اللہ؟ قال فقال: ای واللہ من دین اللہ. الخ. ج ۱۸، باب ۲۴، کتاب امر المعروف۔

۲۔ عن ابان بن عثمان عن الصادق (ع) انہ قال: لا دین لمن لا تقیۃ لہ، ولا ایمان لمن لا ورع لہ۔ ج ۲۲، باب ۲۴ کتاب امر المعروف۔

۳۔ عن ابن ابی یعفور عن الصادق: لا ایمان لمن لا تقیۃ لہ۔ الحدیث۔ ج ۶، باب ۲۴، کتاب امر المعروف

نزدیک سب سے معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ تقیہ پر عمل کرتا ہو اور ایمان بغیر تقیہ کے بدن بے سر کی مانند ہے۔ اور موارد تقیہ میں خدا اور اس کے اولیاء کے نزدیک کوئی چیز تقیہ سے زیادہ پسندیدہ نہیں۔ روایات درج ذیل ہیں۔

۹۔ کلینی نے کافی میں حبیب ابن بشر سے نقل کیا ہے کہ ابو عبد اللہ نے فرمایا: میں نے اپنے باپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ روئے زمین پر تقیہ سے زیادہ پسندیدہ کوئی چیز نہیں۔ اے حبیب! جس کے پاس تقیہ کا ہتھیار ہو خدا اسے رفعت عطا فرماتا ہے۔ اے حبیب! جس کے پاس تقیہ نہ ہو خدا اسے نیچا دکھاتا ہے۔ اے حبیب! لوگ غیبت میں بسر کر رہے ہیں۔ اگر غیبت کا زمانہ ختم ہو اور امام کا ظہور ہو جائے تو تقیہ واجب نہیں رہے گا۔[1]

۱۰۔ قول پروردگار متعال: "وعملوا الصالحات" کی تشریح میں تفسیر امام حسن عسکری میں منقول ہے آنحضرت نے فرمایا: "اس قول کا مطلب توحید کے بعد تمام فرائض کی انجام دہی اور نبوت و امامت کا اعتقاد رکھنا۔ لیکن سب سے بڑے دو فرائض ہیں۔ اپنے دینی بھائیوں کے حقوق ادا کرنا اور دشمنوں سے بچنے کے لئے تقیہ کا سہارا لینا۔"[2]

مخفی نہ رہے کہ الوسائل کے اٹھائیسویں باب یعنی باب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں دو حدیثیں نبوی ہیں۔ اور امام حسن عسکری تک ایک ایک حدیث ہر امام سے منقول ہے کل ملا کر تیرہ حدیثیں ہیں اور ہر حدیث امام کی تفسیر اور اس کی وساطت سے منقول ہے۔ صاحب وسائل نے ائمہ کی ترتیب کے تحت ان کو نقل کیا ہے۔ اگرچہ ان کی عبارتیں اور الفاظ مختلف

۱۔ ج ۸، باب ۲۴۔ ابواب امر المعروف۔

۲۔ ج ۱۰، باب ۲۸۔ ابواب امر المعروف۔

لیکن سبھی ایک مطلب کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور وہ یہ کہ ائمہ علیہم السلام کے نزدیک بہترین چیز اور ان کا پسندیدہ اخلاق، تقیہ اور دینی بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ ان کے نزدیک ترک تقیہ ناقابل بخشش گناہوں میں سے ہے۔

۱۱۔ تفسیر امام حسن عسکریؑ میں ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: بغیر تقیہ کے مومن ایسا ہی ہے جیسا بغیر سر کے بدن۔[۱]

۱۲۔ امیرالمومنینؑ نے فرمایا: تقیہ مومن کے ان بہترین اعمال میں سے ہے جن کے ذریعہ وہ اپنے نفس اور اپنے بھائیوں کو ظالموں سے محفوظ رکھتا ہے۔[۲]

یہ حدیث اس امر کی شاہد ہے کہ تقیہ صرف اپنی جان بچانے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اپنے بھائیوں کی جان بچانے کے لئے بھی جائز ہے۔ البتہ آگے چل کر تنبیہات میں عرض کریں گے کہ وہ مومن بھائی جن کے لئے تقیہ کیا جاتا ہے ان کا معلوم اور مشخص ہونا ضروری ہے۔ یا نوعی مخفی کے لئے بھی تقیہ جائز ہے۔ چاہے اشخاص معلوم نہ ہوں۔؟

۱۳۔ امام حسن عسکریؑ اپنے جد بزرگوار امام زین العابدینؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "خدا مومن کے ہر گناہ کو بخش دیتا ہے اور اس کو دنیا و آخرت میں ہر گناہ کی آلودگی سے پاکیزہ بنا دیتا ہے۔ مگر دو گناہوں کو نہیں بخشتا۔ ایک ترک تقیہ اور دوسرا اپنے بھائیوں کے حقوق پائمال کرنا۔"[۳]

۱۔ ج ۲۔ باب ۲۸۔ ابواب امر بالمعروف۔

۲۔ عن امیر المؤمنین ؏، التقیۃ من افضل اعمال المؤمنین یصون بہا انفسہ واخوانہ عن الفاجرین۔ ج ۳۔ باب ۲۸۔ ابواب امر بالمعروف۔

بقیہ آئندہ صفحہ پر۔

۱۴۔ امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ فلاں شخص ایک تہمت میں پکڑا گیا اور اسے سو کوڑے لگائے گئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس نے مومن کا حق پائمال کیا تھا اور تقیہ کو ترک کیا تھا اور پھر جب متوجہ ہوا تو اس نے توبہ کی۔[۱] یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ترک تقیہ صرف عذاب اخروی کا ہی باعث نہیں بنتا بلکہ دنیاوی عذاب کا باعث بھی بنتا ہے۔

۱۵۔ علی ابن محمد الخزاز نے حسین ابن خالد کے حوالے سے امام رضاؑ سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا جس کے پاس ورع نہیں وہ دین سے خالی ہے اور جس کے پاس تقیہ نہیں وہ ایمان سے بے بہرہ ہے اللہ کے نزدیک تم میں سب سے باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ تقیہ پر عمل کرتا ہو۔ عرض کیا گیا اے فرزند رسولؐ تقیہ کب تک؟ آپ نے فرمایا۔ قائمؑ کے قیام تک۔ جو قائمؑ کے ظہور سے پہلے تقیہ ترک کر دے وہ ہم سے نہیں ہے۔[۲]

صفحہ گذشتہ کا بقیہ۔ ۳۔ عن علی ابن حسین ؏، یغفر اللہ المومن کل ذنب ویطہرہ منہ فی الدنیا والآخرۃ ما خلا ذنبین، ترک التقیۃ وتضییع حقوق الاخوان۔ ج ۲۔ باب ۲۸۔ ابواب امر بالمعروف

۱۔ وعنہ ؏، ایضاً، قیل لمحمد بن علی ؏ ان فلاناً اخذ بتہمۃ فضربوہ مائۃ سوط۔ فقال محمد بن علی ؏ انہ ضیع حق اخ مومن وترک التقیۃ فوجہ الیہ فتاب۔ ج ۱۱ باب ۲۸ ابواب امر بالمعروف

۲۔ علی ابن محمد الخزاز عن الحسین بن خالد عن الرضا ؏، قال لا دین لمن لا ورع لہ ولا ایمان لمن لا تقیۃ لہ وان اکرمکم عند اللہ اعملکم بالتقیۃ۔ قیل یا ابن رسول اللہ ؐ، الی متیٰ؟ قال، الی قیام القائم ؏ فمن ترک التقیۃ قبل خروج قائمنا فلیس منا۔ الخ

ج ۲۵۔ باب ۲۴۔ ابواب امر بالمعروف۔

چوتھا طائفہ

وہ احادیث جو افعال انبیاء میں تقیہ کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اور بتاتی ہیں کہ انبیاء ماسلف نے کئی مواقع پر تقیہ سے کام لیا ہے۔ روایات درج ذیل ہیں۔

۱۶۔ صدوقؒ نے "علل" میں ابی بصیر کے حوالے سے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا، اس شخص کے پاس کوئی خیر نہیں جو تقیہ پر عمل نہیں کرتا جب کہ حضرت یوسفؑ نے تقیہ پر عمل کرتے ہوئے فرمایا، "اے قافلہ والو تم چور ہو" حالانکہ انھوں نے چوری نہیں کی تھی۔[1]

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ حضرت یوسفؑ نے بذات خود یہ فقرہ ارشاد نہیں فرمایا لیکن چونکہ آپ کے امر اور آپکی رضایت سے آپکے ماتحتوں نے یہ جملہ کہا ہے لہٰذا اس کی نسبت حضرت یوسفؑ کی طرف دی گئی ہے۔ اس لئے کہ قافلہ والوں نے اس وقت کوئی چوری نہیں کی تھی البتہ پہلے انھوں نے حضرت یوسفؑ کو چرایا تھا۔ لہٰذا حضرت یوسفؑ کا مؤذن سے یہ جملہ کہلانا تقیہ نہیں بلکہ ایک قسم کا توریہ ہے۔ لیکن یہ توریہ بھی بعض مصالح کے تحت بربنائے تقیہ حق کو پوشیدہ رکھ کے حضرت بنیامین کو اپنے پاس روک لینے کی خاطر کیا گیا۔

اور مخفی نہ رہے کہ یہ تقیہ بھی جان کے خطرے کو ٹالنے کے لئے نہیں بلکہ دوسرے مصالح کی بنا پر ہے۔ عنقریب ہم بیان کریں گے کہ تقیہ صرف خوف ہی کی بنا پر نہیں ہوتا۔

۱۔ عن ابی بصیر قال، سمعت ابا جعفر (ع)، یقول، لاخیر فیمن لاتقیۃ لہ، ولقد قال یوسف "ایتہا العیر انکم لسارقون" وما سرقوا۔ ح ۱۷ باب ۲۴۔ ابواب امر بالمعروف۔

البتہ واضح رہے کہ تقیہ کی یہ قسمیں بیان احکام اور تبلیغ رسالت میں نہیں جس کی بنا پر کسی کو یہ وہم ہو کہ انبیاء و مرسلین کے لئے تقیہ جائز نہیں۔ بلکہ یہ باب تبلیغ کے علاوہ بعض مصالح کی حفاظت کے لئے ہیں۔

۱۷۔ اس روایت کو بھی حضرت صدوقؒ نے "علل" میں ابوبصیر کے واسطے سے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے۔ امامؑ نے فرمایا، "تقیہ دین پروردگار متعال ہے۔" میں نے عرض کی کیا تقیہ دین خدا کا جزء ہے؟ تو آپ نے فرمایا، خدا کی قسم ایسا ہی ہے۔ اسی لئے حضرت یوسف نے فرمایا اے قافلہ والو تم نے چوری کی ہے۔ حالانکہ خدا کی قسم انھوں نے کچھ نہیں چرایا۔[1]

...... اس روایت کی توجیہ بھی وہی ہے جو گذشتہ روایت کی ہے۔

۱۸۔ اس روایت کو کلینی نے کافی میں ابوبصیر کے حوالے سے حضرت ابو عبداللہ سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا تقیہ دین الٰہی کا جزء ہے۔ اس کے بعد وہی پہلی روایت والے فقرے ارشاد فرمانے کے بعد امامؑ نے اضافہ فرمایا، بے شک حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا "میں بیمار ہوں" جب کہ خدا کی قسم وہ بیمار نہیں تھے۔[2]

۱۔ عن ابی بصیر قال، قال ابو عبداللہ (ع)، التقیۃ دین اللہ عزوجل۔ قلت من دین اللہ؟ قال فقال ای و اللہ من دین اللہ لقد قال یوسف (ع)، "ایتہا العیر انکم لسارقون" واللہ ما کانوا سرقوا شیئاً۔ ح ۱۸ باب ۲۴۔ الامر بالمعروف۔

۲۔ فی الکافی عن ابی بصیر ایضاً قال، قال ابو عبداللہ (ع)، التقیۃ من دین اللہ۔ ثم روی نحو الروایۃ السابقۃ۔ ثم زاد قولہ ولقد قال ابراہیم (ع)، "انی سقیم" واللہ ما کان سقیماً۔ ح ۴ باب ۲۵۔ ابواب امر بالمعروف۔

جناب ابراہیمؑ کے اس قول کو صرف اس بنا پر تقیہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے دینی مصلحتوں کی بنا پر اپنی حالت کو پوشیدہ رکھا۔ یہ احکام میں تقیہ نہیں بلکہ یہ موضوعات میں ہے جو آپ کی رسالت سے منافات نہیں رکھتا۔ بلکہ یہ بت شکنی عین ادائے رسالت ہے۔

۱۹۔ معانی الاخبار میں سفیان ابن سعید کہتے ہیں، میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا تم پر تقیہ لازمی ہے اس لئے کہ بے شک تقیہ سنت خلیل خدا ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: رسولؐ خدا جب سفر کا ارادہ فرماتے تھے تو اپنے خاندان والوں کے ساتھ مدارات کرتے تھے اور فرماتے تھے مجھے میرے پروردگار نے لوگوں کے ساتھ مدارات کا حکم دیا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح مجھے اقامۂ فرائض پر مامور فرمایا ہے۔ خدا نے آنحضرتؐ کو تقیہ کا طریقہ بتاتے ہوئے فرمایا، " ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم وما یلقاھا الا الذین صبروا " اے سفیان جو دین خدا میں تقیہ استعمال کرتا ہے وہ قرآن سے بڑے پیمانہ پر فائدہ اٹھاتا ہے۔ بے شک مومن کی عزت زبان کی حفاظت میں ہے۔ جو شخص اپنی زبان کا مالک نہیں وہ ندامت اٹھاتا ہے۔[1]

یہ روایت شاہد ہے کہ پیغمبر اسلامؐ بھی بعض موضوعات میں لوگوں کے ساتھ مدارات اور قلوب مومنین سے بغض و عداوت دور کرنے کی خاطر تقیہ سے کام لیا کرتے تھے جب کہ احکام اور تبلیغ رسالت میں ہرگز تقیہ نہیں کرتے تھے۔

اس روایت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بتوں کے سلسلہ میں حضرت ابراہیمؑ کا تقیہ یہ کہتے ہوئے کہ "میں بیمار ہوں" یا حضرت کا یہ فرمانا کہ "یہ میرا پروردگار ہے" یا یہ قول کہ

۱۔ ج ۱۶۔ باب ۲۴۔ ابواب امر بالمعروف۔

"بلکہ ان کے بڑے نے یہ فعل انجام دیا ہے" حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے۔ اور یہ تقیہ کے ایک وسیع مفہوم میں داخل ہے جو "بعض اہم مصالح کی خاطر کسی اہم امر کو پوشیدہ رکھنا" کا ہے۔

۲۰۔ کلینی نے ہشام ابن سالم کے حوالے سے امام جعفر صادقؑ سے روایت نقل کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا، بے شک ابوطالب کی مثال اصحاب کہف کی سی ہے جنھوں نے ایمان کو پوشیدہ رکھا اور شرک کا اظہار کیا۔ پس خدا نے ان کو دوہرا اجر عطا فرمایا۔[1]

مذکورہ آیت اگرچہ نبیوں کے تقیہ کے بارے میں نہیں تاہم ہم نے اس کو نبیوں کے تقیہ سے ملحق کر کے ذکر کیا ہے۔......... قرآن مجید میں اصحاب کہف کا قصہ موجود ہے۔ لیکن اس میں لفظ تقیہ صراحت کے ساتھ موجود نہیں۔ مگر قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ اصحاف کہف اپنے دشمنوں سے تقیہ کرتے تھے اور آخر میں اپنی قوم سے کنارہ کشی کر کے انھوں نے اپنا راز فاش ہو جانے کے نتیجہ میں بادشاہ کی سختیوں کے خوف سے ایک غار میں پناہ لے لی۔ اگر وہ اپنے ایمان کو ظاہر کر دیتے تو قتل کر دیئے جاتے۔ اسی لئے وہ ایک عرصہ تک اپنا ایمان چھپائے رہے یہاں تک کہ خدا نے ان کو ہجرت کر جانے کی توفیق عطا فرمائی۔ وہ اظہار ایمان کی فرصت کی تلاش میں اپنی قوم کے درمیان سے ہجرت کر گئے تاکہ ان کو تقیہ میں رہ کر اظہار شرک نہ کرنا پڑے .... روایات اور تواریخ میں ایسے شواہد موجود ہیں۔ اگرچہ لفظ تقیہ سے استفادہ نہیں کیا گیا ہے لیکن مطلب اس قدر واضح ہے کہ لفظ تقیہ کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

یہ روایت پیغمبر اسلامؐ کے عم بزرگوار جو دل و جان سے حضورؐ کی حمایت میں کوشاں

۱۔ ج ۱۔ باب ۲۹۔ ابواب امر بالمعروف۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ابوطالب نے شرک کا اظہار کیا (مترجم)

رہتے تھے کے تقیہ پر بھی دلالت کرتی ہے ...... البتہ ان کا تقیہ اکثر مواقع پر ان کے اظہار ایمان سے منافات نہیں رکھتا جیسا کہ تاریخ و روایات سے پتہ چلتا ہے ..... مگر حضرت ابوطالب اکثر تقیہ کرتے تھے نہ ہمیشہ اور وہ بھی دشمنوں سے ہوتا تھا نہ کہ دوستوں سے شاید اسی وجہ سے مخالفین نے ان پر معاذ اللہ مشرک ہونے کا الزام لگایا ہے۔

بہر حال یہ روایات کم سے کم ان موارد تقیہ میں اس کے استحباب یا وجوب پر دلالت کرتی ہیں جن میں اخفا حق واجب ہو یا کہ کم رجحان رکھتا ہو .... اس کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات ہیں جو تقیہ کے رجحان یا وجوب پر دلالت کرتی ہیں، چنانچہ آئندہ بحثوں میں ہم ان روایات کو ذکر کریں گے اور چونکہ یہ روایات متواتر ہیں لہذا اصل وجوب تقیہ میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔

چند ضروری امور

اوّل۔ تقیہ میں اسقدر تاکید کی علت اور سبب کیا ہے؟

اس کا جواب پیش کرنے سے پہلے ہم سوال کی وضاحت کر دیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ ان روایات کا مطالعہ کرنے کے بعد انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ تقیہ میں اتنی تاکید ہے جو دوسرے مسائل میں کم نظیر ہے۔ چنانچہ اس کی وجہ سے وحشت اور بدظنی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔؟ حالانکہ یہ وحشت اور بدگمانی تقیہ کے اسرار و رموز نہ جاننے کی بنا پر ہے۔ ...... اس کے برعکس اگر انسان تقیہ اور اس کی شروعیت کے زمانوں میں تدبر سے کام لے کر ان شواہد کا مطالعہ کرے جو اس میں موجود ہیں تو اس کا راز اس کے سامنے منکشف ہو کر تقیہ کی حقیقی تصویر پیش کر دے گا جس کے نتیجہ میں یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گا کہ امر تقیہ میں اسقدر اہتمام کی دو بڑی وجہیں ہو سکتی ہیں۔

پہلی وجہ:

یہ ہے کہ شیعوں میں سے عوام کی اکثریت اور بعض خواص امویوں اور عباسیوں جیسی فاسد حکومتوں کے سامنے بلا خوف و خطر اور بغیر کسی دلیل قطعی کے اظہارِ حق کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتے تھے..... گویا ان کا نظریہ یہ تھا کہ اعلانِ حق ضروری ہے چاہے وہ منفعت بخش اور واجب نہ بھی ہو اور اس کو پوشیدہ رکھنا حرام ہے چاہے وہ مذہب اور اس کے مقدسات کے لئے باعث ضعف و ضرر بھی ہو۔ بلکہ چاہے اخفاءِ حق نفوس و اعراض کی حفاظت اور مذہب اور اس کے مقدسات کے لئے مفید ہی کیوں نہ ہو....... یا .....

..... وہ یہ خیال کرتے تھے کہ تقیہ جھوٹ ہے اور کلمۂ شرک کا زبان پر لانا شرک و کفر ہے چاہے دل ایمان سے مطمئن ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کلمۂ کفر کے اظہار کے بعد عمار پھوٹ پھوٹ کر روئے اور انھوں نے یہ گمان کیا کہ وہ اسلام سے خارج ہو گئے ہیں جو ان کے لئے ہلاکت کے مترادف ہے..... چونکہ صورت حال یہ تھی لہٰذا آئمۂ معصومین علیہم السلام نے ایسے غیر مفید اعمال سے روکا اور ان کی باطل آراء کو رد کر دیا جس کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے ایسے موارد میں تقیہ کو سپر اور ڈھال وغیرہ سے تعبیر کیا۔

اس کے علاوہ امام جعفر صادقؑ کی وہ روایت ہے کہ جس کو حذیفہ نے پروردگار عالم کے اس قول "ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" کے بارے میں نقل کیا ہے۔ امام نے فرمایا کہ یہ تقیہ کے بارے میں ہے[1].......... اور .... شاید وہ روایات

۱۔ ح ۳۵۔ باب ۲۴۔ ابواب امر بالمعروف۔

کہ جن میں انبیاء اور اولیاء کے تقیہ کا تذکرہ ہے اس امر کی بہترین دلیل ہیں کہ تقیہ نہ تو کذب ممنوع ہے اور نہ کفر اور دین سے خارج ہو جانے کا موجب ہے۔ بشرطیکہ موقع سے ہو۔ چنانچہ اس کی شہادت میں ہم وہ روایات پیش کر رہے ہیں کہ جس کو کلینی نے "درست واسطی" کے ذریعہ ابو عبد اللہؑ سے نقل کیا ہے "آپ نے فرمایا کہ اصحاب کہف جیسا تقیہ کسی نے نہیں کیا۔ اگرچہ وہ ان کی عیدوں میں شریک ہوتے تھے اور "زنار" بھی باندھتے تھے مگر خدا نے ان کو دوہرا اجر کرامت فرمایا"[1]

دوسری وجہ:

یہ ہے کہ شیعہ عوام کی اکثریت اور بعض خواص اپنے کو مسلمانوں سے الگ کر لینے ہی میں عافیت سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ اگر وہ اپنے عقیدے کا اظہار کرتے تھے تو اس سے نہ صرف ان کو جان کا خطرہ ہوتا تھا بلکہ دشمنی اور بغض میں بھی اضافہ ہوتا تھا۔ اور اگر وہ اس کو چھپانے پر مجبور ہوتے تھے تو وہ خود کو حق کے سامنے قصور وار سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو جھوٹ کا مرتکب خیال کرتے تھے۔ لہٰذا وہ سنی مسلمانوں کے ساتھ ترک معاشرت ہی کو ترجیح دیتے تھے۔ جبکہ وہ اس ترک معاشرت کے نقصانات سے قطعی طور پر غافل تھے۔ کہ اس سے خشونت و بے ادبی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور عواطف انسانیہ کو ٹھیس پہنچتی ہے..... چنانچہ....... آئمہ علیہم السلام نے ان کو سنیوں کے ساتھ معاشرت برقرار رکھنے کی تاکید کی تاکہ ان پر ترک معاشرت کا الزام نہ لگایا جائے اور وہ اپنے اماموں کے لئے بدنامی کا باعث نہ بنیں۔

۱۔ ح ۱۔ باب ۲۶۔ ابواب امر بالمعروف۔

چاہے اس راہ میں ان کو تقیہ کا وسیلہ ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے ۔ ہمارے اس مدعا کی گواہ درج ذیل روایتیں ہیں

۱۔ کافی میں کلینی نے ہشام الکندی کی زبانی نقل کیا ہے ۔ کہتے ہیں میں نے صادق آل محمد کو فرماتے ہوئے سنا ...... خبردار ! کوئی ایسا کام نہ کرنا جس کی وجہ سے لوگ ہم پر انگلی اٹھائیں اس لئے کہ بیٹے کی نالائقی کے سبب لوگ اس کے باپ پر انگلی اٹھاتے ہیں ۔ اپنے گذشتگان کی نیک نامی کا باعث بنو ان کی بدنامی کا باعث نہ بنو ۔ سنیوں کے ساتھ نماز پڑھو ۔ ان کے مریضوں کی عیادت کرو ۔ ان کے جنازوں میں شرکت کرو .... یاد رکھو ! وہ تم پر کسی امر خیر میں سبقت نہ لے جائیں ۔ اس لئے کہ انجام خیر کے لئے ان کی بہ نسبت تم زیادہ بہتر ہو ۔ خدا کی قسم تقیہ سے زیادہ بہتر کسی چیز کے ذریعہ بھی خدا کی عبادت نہیں کی گئی ہے [1]

یہ روایت بہ بانگ دہل اعلان کر رہی ہے کہ اہلسنت سے کنارہ کشی درست نہیں بلکہ ان کے ساتھ معاشرت لازم ہے ۔ مثال کے طور پر ان کے ساتھ نماز ، ان کے مریضوں کی عیادت ، جنازوں میں شرکت اور اس کے علاوہ تمام امور میں ان کے ساتھ تعاون اور حسن معاشرت لازمی ہے ۔ تاکہ وہ ترک معاشرت کے بہانے سے تمہارے ائمہ پر انگلی نہ اٹھا سکیں

۱۔ الکافی عن ہشام الکندی قال سمعت ابا عبداللہ (ع) یقول : ایاکم ان تعملوا عملاً نعیر بہ فان ولد السوء یعیر والدہ بعملہ ، کونوا لمن انقطعتم الیہ زیناً ولا تکونوا علیہ شیناً ، صلوا فی عشائرہم وعودوا مرضاہم واشہدوا جنائزہم ولا یسبقونکم الی شیء من الخیر فانتم اولی بہ منہم ، واللہ ما عبداللہ بشیء احب الیہ من الخبء ، قلت وما الخبء ؟ قال : التقیۃ ۔ ج ۲ ۔ باب ۳۶ ۔ ابواب امر بالمعروف ۔

اور خود ان کی اور ان کے ماننے والوں کی اذیت کا سامان فراہم نہ کر سکیں ۔ اور یہاں ان کے ساتھ حسن معاشرت کے سلسلہ میں تقیہ جائز ہے اور یہ تقیہ پسندیدہ ہے ۔

اس روایت کو بھی کلینی نے مدرک ابن ہزہاز کے حوالے سے امام جعفر صادق سے نقل کیا ہے ۔ آپ نے فرمایا خدا اس بندے پر رحم کرے جو عوام الناس کے ساتھ مودت کا برتاؤ رکھتا ہے ۔ وہی کہتا ہے جس کو وہ پسند کرتے ہیں اور جس کو وہ ناپسند کرتے ہیں اس کو ترک کرتا ہے [1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے من پسند بات کہنا اور ناپسندیدہ باتوں کو ترک کرنا تقیہ کے محبوب ترین موارد میں سے ہے ۔

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام میں ہے کہ امام حسن ؑ نے فرمایا تقیہ کے ذریعہ خدا امت کی اصلاح فرماتا ہے ۔ تقیہ کرنے والے کا ثواب امت کے اعمال کے ثواب کے برابر ہے مگر وہ تقیہ ترک کر دے تو گویا اس نے امت کو ہلاک کیا ہے " اس کا مطلب یہ ہوا کہ " تارک تقیہ امت کو ہلاک کرنے والے کا شریک ہوتا ہے ۔ [2]

اس روایت میں تقیہ کو امت کے حقوق کے ساتھ ذکر کرنے کا مطلب شاید یہ ہو کہ یہ دونوں امت کی وحدت اور اس کے مذہب کی حفاظت میں شریک ہیں ۔ اگرچہ تقیہ میں تاکید خواص " شیعوں " کے لئے ہے اور حقوق امت کی تاکید عامۃ " سنیوں " کے لئے ہے ۔

اس کے علاوہ قصہ حضرت ذوالقرنین میں خداوند متعال کے اس قول " اجعل بینکم

۱۔ الکافی عن مدرک ابن ہزہاز عن ابی عبداللہ (ع) قال رحم اللہ عبداً اجتر مودۃ الناس الی نفسہ فحدثہم بما یعرفون وترک ما ینکرون ۔ ج ۳ ۔ باب ۳۶ ۔ ابواب امر المعروف ۔

وبینہم سدا " اور " فما اسطاعوا ان یظہروہ وما استطاعوا لہ نقبا " کی تفسیر میں بہت ساری روایات میں وارد ہوا ہے کہ اس سے مراد تقیہ ہے۔ اس لئے کہ تمہارے اور دشمنوں کے درمیان ایسی مضبوط دیوار ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے دشمنوں کا کوئی وار کارگر نہیں ہو سکتا۔

اگرچہ آیت سے یہ معنی مراد لینے کے لئے اس کے ظاہر سے عدول کر کے اس کی تاویل میں جانا پڑے گا تاکہ اس کے مناسب معنی پیدا کئے جائیں۔ لیکن بہرحال آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ تقیہ دشمن کے لئے بہترین سد باب ہے۔ یہ صرف دشمن کی جانب سے پہونچنے والے نقصانات ہی کے دروازے بند نہیں کرتا بلکہ ہر قسم کی تہمت، ملامت وغیرہ کے سد باب کے لئے بھی اچھا چارہ گر اور ایسی دیوار ہے کہ دشمن نہ تو اس کو پھاند سکتا ہے اور نہ ہی اس میں نقب لگا سکتا ہے۔

علاوہ براین اس میں آئمہ معصومین علیہم السلام پر کمینہ لوگوں کی طرف سے ہونے والے اعتراضات، جھوٹی افواہوں اور بغض و عناد کا بھی سد باب ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے دشمن اپنے فاسد منصوبوں کو بروئے کار نہیں لا سکتا۔ اور نہ ہی ان مقدس ہستیوں کی ہتک حرمت کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ چنانچہ "مجالس" میں مذکور امام علی ابن محمدؑ سے ایک روایت اس کا شاہد ہے۔ فرماتے ہیں کہ امام صادقؑ نے فرمایا، جو شخص تقیہ نہ کرکے کمینہ لوگوں سے ہم کو محفوظ نہیں رکھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔[1]

---

[1] قال الصادق: ليس منا من لم يلزم التقية ويصوننا من سفلة الرعية۔ ج ۲۷۔ باب ۲۴۔ ابواب امر بالمعروف۔

۲۔ تقیہ کی غرض و غایت اور اس کی قسمیں

مذکورہ بیان سے روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ تقیہ کی غرض و غایت صرف نفوس مومنین کی حفاظت اور ان کو درپیش خطرات کا دفاع یا ان کے اموال و ناموس کی صیانت ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی وحدت کی حفاظت اور ان کے درمیان رشتہ محبت برقرار کرنے اور ان کے دلوں کی کدورتوں کے بادل صاف کرنے کے لئے کبھی کبھی ایسے مواقع پر تقیہ کیا جا سکتا ہے کہ جہاں عقیدے کے اظہار اور اس کے دفاع میں کوئی مصلحت اور مہم فائدہ موجود نہ ہو...... اسی طرح تبلیغ رسالت کے فریضہ کو بطور احسن انجام دینے کے لئے بھی تقیہ کا استعمال مشروع ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے بت پرستوں کے مقابلہ میں کیا یا اس کے علاوہ اگر کوئی مصلحت ہو تو اس کی خاطر بھی تقیہ جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کے سامنے تقیہ سے کام لیا۔

بنا براین تقیہ کے وسیع مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی قسمیں درج ذیل ہو سکتی ہیں۔

۱۔ تقیہ خوفی۔
۲۔ تقیہ تحبیبی۔
۳۔ مختلف مصلحتوں کی خاطر تقیہ۔

گذشتہ بیانات میں تینوں قسموں کی تشریح مثالوں کے ساتھ ہو چکی ہے۔ " مترجم "

البتہ مخفی نہ رہے کہ تقیہ کی یہ تمام قسمیں ایک وسیع مفہوم کے تحت جمع ہو سکتی ہیں۔ اور وہ مفہوم یہ ہے کہ انسان کسی اہم مصلحت کے تحت عقیدہ کو پوشیدہ رکھے اور اس کے خلاف اظہار کرے یعنی اہم کو بجالائے اور مہم کو ترک کردے۔ جس کی تائید میں عقلی اور نقلی دلیلیں موجود ہیں، وہ اہم مصلحت چاہے دشمنوں سے اپنے نفوس، ناموس و اموال کی حفاظت ہو چاہے مسلمانوں کے درمیان ایجاد محبت اور بغض و دشمنی کو دور کرنا ہو۔ یا ان کے علاوہ بے شمار دوسرے مصالح ہوں جن کا ذکر لازمی نہیں ہے۔

وجوب تقیہ کے موارد:

گذشتہ بیانات سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بہت سے موارد ایسے ہیں جہاں تقیہ واجب ہے۔ جب کہ کچھ موارد میں مستحب ہے۔ اس کا کلی قاعدہ یہ ہے کہ اگر وہ مصلحت جو تقیہ کا باعث بنتی ہے ایسی ہو جس کی حفاظت واجب اور جس کو نظر انداز کرنا حرام ہو تو تقیہ واجب ہو جاتا ہے۔ اور اگر فعل و ترک کے اعتبار سے وہ مصلحت مساوی ہو تو تقیہ مستحب ہے۔۔۔۔
بہر حال تقیہ مصلحت کے رجحان یا عدم رجحان کے تابع ہے۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر موارد وجوب کو مشخص کرنے اور بعض مصلحتوں کا دوسرے مصالح کے مقابلہ میں مرجح ہونے اور ان کی اہمیت کو درک کرنے کے لئے ذوق شرعی کے ساتھ ساتھ عقلی ضابطوں کی جانب رجوع کرنا بھی ضروری ہے۔ مثال کے طور پر جان کی حفاظت کے لئے اگر انسان کو پاؤں پر مسح ترک کر کے موزوں پر مسح کرنے پر اکتفا کرنا پڑے تو اس سلسلہ میں وہ روایات اس کی مددگار ہوں گی جن میں ملتا ہے تقیہ جزو دین ہے۔ اور اس کا تارک لائق عقاب ہے۔ اور ترک تقیہ مثل ترک نماز ہے۔ یا اس قسم کی دیگر تعبیریں، جن سے وجوب تقیہ سمجھ میں آتا ہے اور وہ ایسی ضروری مصلحتوں کے

باب میں ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔ اسی طرح وہ روایات جو قول پروردگار " ادفع بالتی ھی احسن السیئۃ " کی تفسیر میں وارد ہوئی ہیں کہ اس سے مراد تقیہ ہے۔۔۔۔۔۔ اور جب انسان تقیہ پر عمل کرے تو وہ دشمن کا سد باب کر کے اپنے لئے اچھے دوست بنا سکتا ہے۔ " فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم " یہ وہ روایتیں ہیں جو تقیہ کے مستحب ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ۔۔۔۔۔ خلاصہ اخبار تقیہ بے شمار ہیں اور ان کے لحجہ بیان میں حد درجہ اختلاف ہے۔ چنانچہ وہ مختلف موارد کے لئے ہیں اور ہر مورد پر ایک ہی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

ایک ضروری آگاہی!

مذکورہ مطالب کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد کسی شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ تقیہ صرف شیعوں ہی کے نزدیک واجب نہیں اور صرف شیعوں کی روایات اور ان کے ائمہ علیہم السلام کے اقوال اس کے جواز یا وجوب پر دلالت نہیں کرتے بلکہ قرآنی آیات، اجماع قاطع، احادیث متواترہ کے علاوہ عقل سلیم بھی اس کے جائز ہونے کی گواہ ہیں۔
اس کے علاوہ یہ امر بھی مسلم ہے کہ تقیہ کسی قوم و ملت یا دین و مذہب سے مخصوص نہیں اور ہر قوم و ملت و مذہب کے ماننے والے اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ اور ضرورت کے وقت اسے اپنی سپر بناتے ہیں۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا کسی صاحب عقل کو آپ نے دیکھا ہے کہ وہ ایسے موارد میں اظہار عقیدہ کرتا ہو جن میں فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہو یا بالکل فائدہ ہو؛ نقصان سے بچنے کے لئے اور اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے ہر صاحب عقل تقیہ سے استفادہ کرتے ہوئے ایسے مواقع پر اظہار عقیدہ سے باز رہتا ہے۔ ۔۔۔۔۔۔۔ بلکہ

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ جو لوگ سرے سے تقیہ کو حرام قرار دیتے ہیں اور اس میں کسی استثنا کے روادار نہیں ہیں وہ بھی صرف زبانی حد تک ایسا کرتے ہیں۔ اگر آپ ان کی عملی زندگی کا مشاہدہ کریں تو تقیہ سے پُر نظر آئے گی۔ ان کے زبانی دعوے صرف روزی روٹی برقرار رکھنے کیلئے ہیں۔ ورنہ عملی میدان میں ایسے موارد میں تقیہ پر عمل کرنے کے سلسلہ میں کہ جن میں اظہار عقیدہ بے فائدہ اور باعث ضرر ہو محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ حکم عقل ہے اور کوئی بھی صاحب عقل اس سے سرپیچی نہیں کر سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے اس عمل کو تقیہ نہ کہتا ہو۔

تقیہ کے موارد وجوب کی طرف اشارہ کرنے کے بعد ہم پیشگی عرض کر دیں کہ عنقریب ہم ایسے موارد بھی بیان کریں گے جن میں نہ صرف تقیہ حرام ہے بلکہ ان میں جان و مال کی قربانی واجب ہے اور ان مواقع پر تقیہ کی مخالفت نہ فقط پسندیدہ ہے بلکہ موجب فضیلت ہے۔

اگر زمانے سے باخبر کوئی مجتہد یا فقیہ حالات کے پیش نظر احکام الٰہی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کسی خاص زمانہ میں تقیہ کی حرمت کا فتویٰ صادر کرتے ہوئے اس بات کا اعلان کر دے کہ اب مدارات کی گنجائش نہیں بلکہ دشمن کے مقابلہ میں جان اور مال کے ذریعہ جہاد واجب ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ تقیہ ہمیشہ حرام ہے۔

مواردِ حرمتِ تقیہ

بحث کے آغاز میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ بلند پایہ محققین اور عظیم فقہاء نے تقیہ کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ اور بطور اجمال ہم نے ان مواقع کی طرف اشارہ کیا ہے جنہیں تقیہ واجب، مستحب اور جائز ہوتا ہے۔ اب ذیل میں ان مواقع کا ذکر ہے جن میں تقیہ حرام ہے۔

ا۔ اگر دین میں فساد کا خطرہ ہو تو تقیہ جائز نہیں ہے

اگر تقیہ کی وجہ سے دین میں فساد اور ارکان اسلام میں تزلزل پیدا ہو، شعائر الٰہی محو ہو رہے ہوں اور کفر کو طاقت مل رہی ہو یا کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو کہ شارع کی نظر میں جس کی حفاظت جان و مال سے زیادہ ضروری ہو تو ایسے ہر موقع پر بلاشبہ تقیہ حرام ہے۔

اور اس کا ترک کر دینا واجب ہے۔ لیکن ان موارد کی تشخیص عام آدمی کے بس کا روگ نہیں بلکہ فقہا و مجتہدین کا کام ہے۔ اس لئے کہ ان موارد کو درک کرنے کے لئے ادلۂ شرعیہ پر تسلط، عمدہ ذوق شریعت اور صائب فکر کی بہت زیادہ ضرورت ہے.......... قاعدہ اہم و مہم کے علاوہ چند روایات بھی اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں جن کو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:

۱۔ کافی میں کلینی نے مسعدۃ ابن صدقہ کے حوالے سے امام جعفر صادق سے نقل کیا ہے کہ اگر مومن اظہار ایمان کے بعد کوئی ایسا عمل انجام دے جس سے ایمان کی نفی ہوتی ہو تو وہ مومنوں کی صف سے خارج ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ ادعا کرے کہ اس نے جو عمل انجام دیا ہے وہ تقیہ کی بنا پر تھا تو دیکھنا یہ ہوگا کہ آیا اس مورد میں تقیہ جائز تھا یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تھا تو اس کا عذر ناقابل قبول ہے۔ اس لئے کہ تقیہ کے حدود معین ہیں جن کی خلاف ورزی کرنے والا معاف نہیں ہے۔ " ما یتقی " کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص ایسی قوم میں پھنسا ہوا ہو جو ظالم بھی ہوں اور اس پر غلبہ بھی رکھتے ہوں۔ اس صورت میں مومن کا ہر وہ عمل جو تقیہ کی بنا پر ہو اور دین میں فساد کا باعث نہ بنے مجاز شمار ہوگا۔

۱۔ ج ۲۔ باب ۲۵۔ ابواب امر بالمعروف۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر تقیہ کی وجہ سے دین میں فساد کا اندیشہ ہو تو تقیہ جائز نہیں ہے۔

۲۔ اس روایت کو "کشی" نے اپنی "رجال" میں درست ابن ابی منصور سے نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں میں امام کاظمؑ کی خدمت میں حاضر تھا اور "کمیت ابن زید" بھی وہاں موجود تھا...... امام نے "کمیت" پر اعتراض کرتے ہوئے بعنوان سرزنش فرمایا، کیا یہ شعر تمہارا ہی ہے۔ ؟ " اب میں بنی امیہ کے ساتھ ہوں اور ان کے امور کی برگشت میری جانب

ہے!" کمیت نے عرض کی "ہاں" میں نے ہی کہا ہے۔ لیکن میں اپنے ایمان سے منحرف نہیں ہوا ہوں۔ میں آپ کا غلام ہوں اور آپ کے دشمنوں سے نفرت کرتا ہوں۔ البتہ میں نے یہ شعر تقیہ کرتے ہوئے کہا ہے......... تب امامؑ نے فرمایا اگر ایسے ہی تقیہ ہونے لگے تو پھر شراب میں بھی تقیہ جائز ہو جائے۔........... اس کا مطلب یہ ہے کہ امام ہر مورد میں تقیہ جائز نہیں جانتے۔ اسی لئے آپ نے کمیت پر اس کے اس شعر کی بنا پر اعتراض کیا جس سے بنی امیہ کی مدح ہوتی تھی۔ اور جو اس بات کی علامت بن گیا کہ کمیت ایک مشہور و معروف محب اہل بیت کہلانے کے بعد بنی امیہ کے طرف دار ہو گئے..............

چنانچہ کمیت "جیسا آدمی جب عذر پیش کرتا ہے کہ اس کا یہ شعر صرف زبانی اور ظاہر پر مبنی تھا تو امام اس کے عذر کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں اگر تقیہ کا میدان اس قدر وسیع ہوتا تو ہر چیز میں حتیٰ شراب پینے میں بھی تقیہ جائز ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔.......

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا کمیت پر اعتراض اور سرزنش اس امر کی دلیل ہے کہ بنی امیہ جیسے ظالموں کی تعریف یا ان سے اظہار محبت جیسے امور میں تقیہ جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس طرح کے افراد کبھی کبھی کفر کی بنیادوں کو مضبوط، اور گمراہی اور جہالت کی تائید و طرفداری کا موجب بنتے ہیں جس سے دین کو نقصان پہنچتا ہے۔ لہذا ایسے مواقع پر تقیہ ناجائز ہے........ جب اس ایک بیت کی حد تک تقیہ جائز نہ ہو تو ظاہر ہے پھر اس قسم کی ایسی باتیں کرنے میں جن سے کفر و ضلال کو قوت پہنچتی ہو اور ہدایت مخفی ہو جاتی ہو حق باطل کے ساتھ مشتبہ ہو کر بہت سے لوگوں سے مخفی ہو جاتا ہو۔ تقیہ کب جائز ہوگا۔ خاص

۱۔ فالان صرت الی امیتہ   فالامور لھا الی مصائر

طور سے ان لوگوں کے لئے جن کے اقوال بطور سند پیش کئے جاتے ہوں اور جن کا فعل نمونۂ عمل ہو ایسے موارد میں تقیہ حرام ہے۔ البتہ ان موارد کی تشخیص جیسا کہ عرض ہو چکا ہے صرف فقیہ کے بس کی بات ہے ہر آدمی کا کام نہیں۔

طبرسی نے احتجاج میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی زبانی امام رضا کی ایک حدیث نقل کی ہے جس میں اگرچہ واضح طور پر ترک تقیہ کا باعث فساد دین کو قرار نہیں دیا گیا ہے لیکن دراصل باعث وہی ہے۔ اس لئے کہ اس سے زیادہ اہم کوئی امر نہیں تھا جس کی وجہ سے ترک تقیہ ضروری ہوتا۔ ...... البتہ احتمال ہے کہ وہ لوگ بغیر کسی خطرے کے تقیہ کرتے ہوں اور جہاں خطرہ ہو وہاں نہ کرتے ہوں تو امامؑ نے ان کو اس سے روکا ہو۔[1]

ابوحمزہ ثمالی ناقل ہیں کہ حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا "خدا کی قسم اگر تمہیں ہم نصرت کے لئے آواز دیں تو تم صاف انکار کر دو گے اور بہانہ بناؤ گے کہ ہم تقیہ میں ہیں۔... آیا تقیہ تمہیں ماں باپ سے بھی زیادہ عزیز ہے۔...... ایسی حالت میں اگر قائمؑ کا ظہور ہو گیا تو تم سے معلوم کئے بغیر تم میں سے بہت سوں پر حد نفاق جاری کریں گے۔[2]"

یہ روایت واضح طور پر کہہ رہی ہے کہ اگر دین خطرے میں ہو اور امامؑ نصرت کے لئے پکاریں تو ترک تقیہ لازم ہے۔ اس لئے کہ جو شخص اس موقع پر تقیہ کرے گا قائم آل محمدؑ اس پر حد جاری کریں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے مواقع پر تقیہ سخت حرام ہے۔

بہر حال تقیہ دین کے لئے ہے۔ چنانچہ اگر دین خطرے میں ہو اور اس کے درکار اور

۱۔ ج ۱۲، باب ۲۵، ابواب امر بالمعروف۔

۲۔ ج ۲، باب ۳۱۔ ......

احکام جن کی بقا و ترویج کے لئے پہلے ہجرت کرنے والوں اور ان کا اتباع کرنے والوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے ہیں اور اپنا خون دے کر اس کو بچایا ہے۔ مٹ جانے کا اندیشہ ہو تو کسی قیمت پر بھی تقیہ جائز نہیں ہے۔

۲۔ قتل میں تقیہ جائز نہیں ہے۔

اگر تقیہ کی بنا پر کسی کو قتل کرنا پڑے مثال کے طور پر کوئی کافر یا فاسق کسی مومن کو قتل کر دینے کا حکم دے اور شخص مامور جانتا ہو کہ اگر میں مومن کو قتل نہیں کروں گا تو خود قتل ہو جاؤں گا ایسے موقع پر تقیہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ مومن کا خون محترم ہے۔ لہٰذا اپنی جان کی حفاظت کی خاطر دوسرے مومن کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ مومنوں کے نفوس مساوی ہیں۔ تقیہ خونریزی اور جان گنوانے سے بچنے کے لئے ہے لیکن اگر نوبت خونریزی تک پہنچ جائے تو تقیہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اور ایسی صورت میں تقیہ کا حکم حکمت حکیم کے منافی ہے۔ .... چنانچہ اس بارے میں کئی احادیث نقل کی جاتی ہیں۔

۱۔ ان روایات میں سے ایک روایت کو محمد ابن یعقوب کلینیؒ نے کافی میں محمد ابن مسلم کے حوالے سے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تقیہ جان کی حفاظت کے لئے رکھا گیا ہے۔ لیکن جب اس سے کسی کی جان جاتی ہو تو ہرگز جائز نہیں ہے[1]

۱۔ محمد بن یعقوب الکلینی عن بن مسلم عن ابی جعفر الباقر (ع) قال: انما جعل التقیة

بقیہ صفحۂ آئندہ پر

۲۔ دوسری روایت کو شیخ "تہذیب" میں ابوحمزہ ثمالی کے حوالے سے امام جعفر صادقؑ سے نقل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ زمین خدا پر ہمیشہ اور ہر دور میں ایسا عالم موجود رہتا ہے جو حق و باطل میں تمیز کر سکے ...... تقیہ حفظ نفوس کے لئے ہے۔ اگر نفوس ہی اس کے ذریعہ خطرے میں پڑ جائیں تو تقیہ بے معنی ہو جائے گا۔[1]

۳۔ شراب خوری یا اس طرح کے محرمات میں تقیہ حرام ہے

روایات میں وارد ہے کہ بعض اہم امور جیسے شراب خوری یا نبید خوری، موزوں پر مسح، متعہ حج وغیرہ میں تقیہ حرام ہے۔ چنانچہ ہم پہلے روایات کو ذکر کریں تب اس کا سبب بیان کریں گے۔

۱۔ امام جعفر صادقؑ سے ابن اعجمی نے نقل کیا ہے آپ نے فرمایا "نبید اور موزوں پر مسح کے علاوہ ہر چیز میں تقیہ جائز ہے۔"[2]

صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ:- ۱ لیحقن بھا الدم فاذا بلغ الدم فلیس التقیۃ"۔ ج ۶۔ باب ۳۱۔ ابواب امر بالمعروف۔

۱۔ عن ابی حمزۃ ثمالی قال قال ابو عبد اللہ (ع) لم تبق الارض الا و فیھا عالم یعرف الحق من الباطل و قال انما جعلت التقیۃ لیحقن بھا الدم فاذا بلغ التقیۃ الدم فلا تقیۃ"۔ ج ۲ باب ۳۱ ابواب امر بالمعروف۔ ۲۔ عن ابی عبد اللہ (ع) فی حدیث قال "والتقیۃ فی کل شیء الا فی النبیذ و المسح علی الخفین"۔ ج ۳۔ باب ۲۵۔ ابواب امر بالمعروف۔

۲۔ کافی میں زرارہ سے منقول ہے کہ میں نے امامؑ کی خدمت میں عرض کیا کیا موزوں پر مسح کرنے میں تقیہ ہے؟ آپ نے فرمایا "تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سے کسی میں بھی میں تقیہ نہیں کرتا۔ نشہ آور چیز کا استعمال، موزوں پر مسح اور متعہ حج۔" زرارہ کہتے ہیں۔ امامؑ نے نہیں فرمایا تم پر واجب ہے کہ ان میں سے کسی چیز میں بھی تقیہ نہ کرو۔[1]

ان امور میں تقیہ حرام ہونے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان میں تقیہ بے جا ہے۔ اس لئے کہ تقیہ خوف و خطرے کے مواقع میں نفوس کی حفاظت کے لئے رکھا گیا ہے اور اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ جان کا خطرہ ایسے امور کے اظہار کے نتیجہ میں ہو سکتا ہے جن کو وضاحت کے ساتھ قرآن میں نہیں بیان کیا گیا ہے۔ اگر قرآن یا سنت میں تصریح موجود ہو تو چاہے وہ عمل کسی بھی قوم کی سیرت کے منافی ہو تب بھی اس میں تقیہ نہیں ہے .... مذکورہ شراب خوری اور نبید جیسے امور کی حرمت صراحت کے ساتھ قرآن میں موجود ہے .... ایسے ہی متعہ حج کے لئے بھی قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔ فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الھدی .... ذالک لمن یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام۔[1] یہ آیت وجوب یا کم سے کم جواز تقیہ کے لئے بہترین دلیل ہے۔ اور سنت نبوی میں بھی اس کا حکم موجود ہے۔ جس کو فریقین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے بلکہ جناب عمرؓ نے خاص طور سے اعلان کیا ہے۔ "دو متعہ پیغمبرؐ کے زمانہ میں حلال تھے اور میں ان کو حرام قرار دیتا ہوں۔" یہ اعلان متعہ حج کے جائز قرار دیئے جانے کی بہترین دلیل ہے۔ چنانچہ ترک تقیہ کے لئے اتنا کافی ہے کہ انسان کے پاس قرآن یا سنت سے

---

[1] البقرۃ آیت ۱۹۶۔

بہترین دلیل موجود ہو۔

اسی طرح موزوں پر مسح ترک کرکے صرف پاؤں پر مسح کرنے پر اکتفا کرنے کے بارے میں بھی قرآن میں صراحت موجود ہے۔ "وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین"[1] روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ پاؤں یا سر پر مسح اسی وقت کہلائے گا جب ٹوپی یا موزوں پر مسح ترک کرکے خود پاؤں یا سر پر مسح کیا جائے۔ اور ہر شخص اسلامی دنیا میں ایسا کر سکتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس مورد میں بھی خوف کی بنا پر تقیہ کرنے پر مجبور ہو تو یہ تقیہ حکمی کہلائے گا۔

لیکن اگر جہالت اور تعصب معاشرہ ہی پر غالب ہو اور ان امور کے اظہار میں جان کا خطرہ ہو تو انسان تقیہ کرتے ہوئے ان امور کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ تمام اسلامی احکام وامور سے ان امور کی اہمیت زیادہ نہیں ہے۔ جب اظہار کلمۂ کفر میں تقیہ ہو سکتا ہے تو پھر شرب خمر یا موزوں پر مسح جیسے فرعی امور میں بدرجۂ اولیٰ بے اشکال ہے۔........

.... اور انصاف کی بات تو یہ ہے کہ مذکورہ روایات بھی اس کی مخالف نہیں بلکہ روایات کی نظر اس نکتہ پر ہے کہ اس قسم کے امور میں جن کو قرآن نے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہو اور سنت قطعی بھی اس کی تائید کر رہی ہو تقیہ کی حاجت پیش نہیں آتی لیکن اگر کبھی بعض حالات میں جان ومال خطرے میں ہوں چاہے تعصب کی بنا پر یا جہالت کے سبب سے تو اس وقت ان امور میں بھی تقیہ جائز ہے۔ مثال کے طور پر اگر حاکم ظالم کے نزدیک موزوں پر مسح لازمی ہو یا وہ متعہ حج کو حرام جانتا ہو اور اس کا اعتقاد نہ رکھنے والے کو قتل کر دیتا ہو تو کیا ایسی

۱۔ المائدہ، آیت ۶۔

حالت میں بھی تقیہ ترک کر دیا جائے اور موت کو گلے لگا لیا جائے؟ ہرگز ایسا نہیں کیا جا سکتا اور میرے خیال میں کسی کا یہ نظریہ بھی نہیں ہے۔ اسی طرح قتل کے علاوہ وہ نقصانات جو شارع کی نظر میں ان امور سے زیادہ اہم ہیں تقیہ کو چھوڑ کر ان کا متحمل ہونا ہرگز واجب نہیں ہے۔

اس بیان سے روشن ہو جاتا ہے کہ زرارہ نے جو استدلال کرکے مذکورہ موارد میں عدم تقیہ کو امامؑ سے مخصوص کرنے کی سعی کی ہے وہ بے فائدہ ہے۔ اس لئے کہ قرآن وحدیث سے ان امور کا حکم واضح ہو جانے کے بعد حکم عام ہو جاتا ہے اور انسان ان میں تقیہ کرنے پر مجبور نہیں ہوتا۔ لہذا اگرچہ "زرارہ" کا شمار فقہاء اہل بیت میں ہوتا ہے۔ لیکن "گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں" اور عصمت اہل عصمت علیہم السلام کا خاصہ ہے اسی بنا پر ہم عرض کر سکتے ہیں کہ "زرارہ" کا استنباط بے محل ہے۔

ہمارے اس قول کی دلیل وہ روایت ہے جس کو صدوقؒ نے "الخصال" میں حضرت علی علیہ السلام سے بیان کیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "شراب خوری اور موزوں پر مسح کرنے میں تقیہ نہیں ہے۔"[1] ظاہر حدیث یہ ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی تقیہ جائز نہیں ہے۔

اور اسی مضمون کی ایک روایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ابی عمر الاعجمی کے ذریعہ نقل ہو چکی ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا "ہر چیز میں تقیہ ہے مگر (نبیذ) اور موزوں پر مسح کرنے میں تقیہ نہیں ہے۔" یعنی تقیہ کی بنا پر نہ نبیذ استعمال کر سکتے ہیں اور نہ موزوں پر مسح کر سکتے ہیں۔ البتہ ان امور میں تقیہ کے جواز پر ہماری بات کی اس روایت سے تائید ہوتی ہے جس کو

۱۔ عن علی علیہ السلام فی حدیث الاربعمائۃ قال لیس فی شرب المسکر والمسح علی الخفین تقیۃ۔ ج ۱۸۔ باب ۳۹۔ ابواب الوضوء

شیخ نے اپنی تہذیب میں ابی الورد کے حوالے سے لکھا ہے۔ بکہتے ہیں میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ ابوظبیان نے مجھ سے کہا کہ "میں (ابوظبیان) نے علیؑ کو دیکھا کہ انھوں نے پانی بہا دیا اور موزوں پر مسح کیا" تو امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ ابوظبیان نے جھوٹ بولا۔ کیا تم نے علیؑ کا یہ قول نہیں سنا کہ قرآن میں تمہارے لئے خفین کے بارے میں حکم بیان ہو چکا ہے۔ میں نے عرض کی کیا اس میں رخصت ہے۔؟ تو آپ نے فرمایا نہیں، مگر یہ کہ دشمن کے تقیہ کی بنا پر یا پاؤں کو برف سے بچانے کے لئے موزوں پر مسح کرنے کی اجازت ہے۔[1]

اس حدیث میں بھی اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ قرآن کی سورۂ مائدہ میں پاؤں پر مسح کرنے کا حکم صراحت کے ساتھ بیان ہو جانے کے بعد موزوں پر مسح کرنا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔

۴۔ ضرورت کے بغیر تقیہ جائز نہیں ہے۔

معصومین علیہم السلام کی اکثر روایات میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ بغیر ضرورت تقیہ جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کی ضرورت خوف ہے۔ اور ضرورت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خوف ختم ہو چکا ہے۔ اور تقیہ خوف کی بنا پر ہو سکتا ہے۔ لہذا جب خوف نہ ہو تو تقیہ کا موضوع ہی باقی نہیں رہتا۔ جیسا کہ اول بحث میں ہم عرض کر چکے ہیں۔۔۔ چنانچہ

۱۔ ج ۵۔ باب ۳۶۔ الواب الوضوء۔

اس سلسلہ کی روایات پیش خدمت ہیں۔

۱۔ کلینی نے "زرارہ" سے اور انھوں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے:" آپ نے فرمایا، تقیہ ضرورت کے وقت ہوتا ہے جس کا علم صاحب ضرورت کو ہو جاتا ہے۔[1]

۲۔ اصول کافی میں ہی امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا: کسی چیز میں انسان کی مجبوری کے وقت تقیہ کو خدا نے اس کے لئے حلال قرار دیا ہے۔[2]

۳۔ محاسن میں امام پنجم سے مروی ہے کہ۔ ہر ضرورت میں تقیہ ہے۔[3]

تذکر:

یہ تینوں روایتیں مختلف اور متعدد طریقوں سے نقل ہوئی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت اور اضطرار کے وقت تقیہ کے جواز کے سلسلہ میں ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ دلائل عقلیہ اور اور فطرت بشری کے تقاضوں کی موجودگی میں جواز تقیہ پر استدلال کے لئے ہمیں ان کی زیادہ ضرورت نہیں ہے لیکن پھر بھی بعض مشکلات ایسی پیش آئی ہیں جن میں تقیہ کے جواز پر دلالت کے لئے ان روایات کی اشد ضرورت ہے۔

۱۔ ج ۱۱۔ باب ۲۵۔ الواب امر بالمعروف۔

۲۔ ج ۲ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۳۔ ج ۸ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

اختیارِ کفر

اور

ایمان سے برائت میں تقیہ کا حکم

اگر جان کا خطرہ لاحق ہو تو دل میں ایمان کو محفوظ رکھتے ہوئے زبانی طور پر ایمان سے اظہار بیزاری اور کلمۂ کفر بکنے پر نص اور فتویٰ دونوں متفق ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن اختلاف اس امر میں ہے کہ آیا ایسے موقع پر تقیہ سے دست بردار ہو کر بڑے سے بڑا نقصان برداشت کر لینا بہتر ہے یا تقیہ کر کے خطرے کو ٹال دینا زیادہ بہتر ہے۔ پہلی نظر میں روایات اور فتوے دونوں اس سلسلہ میں مختلف ہیں۔ لیکن آگے چل کے جب ہم اس بحث میں غور و خوض سے کام لیں گے اس وقت یہ بات روشن ہو جائے گی کہ ان میں اختلاف نہیں بلکہ زمانہ، شخص اور ظروف تقیہ کے اعتبار سے فرق ہے۔

ہماری بحث کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے ہم اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے

اس کی دلیلیں ذکر کریں گے اور اس کے بعد عرض کریں گے کہ ان میں سے کون بہتر ہے اور کون نہیں۔ اور یہ بھی دیکھیں گے کہ علماء اہلبیت کا نظریہ کیا ہے۔ کہ جنھوں نے جان و دل سے دین کی حمایت اور نصرت کا فریضہ انجام دیا ہے۔ اور ہر لمحہ دامن اطاعت سے متمسک رہے ہیں اور کبھی بھی کلمۂ کفر کو زبان تک نہیں لائے۔

بہر حال کثیر تعداد میں احادیث اظہار کلمۂ کفر کے جواز پر دلالت کرتی ہیں جن میں سے چند حدیثیں بطور نمونہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ تقیہ کے جواز پر دلالت کرنے والی آیات کے ذیل میں ایک روایت مذکور ہے جو پروردگار کے اس قول "الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان" کی تفسیر کرتی ہے یہ آیت حضرت عمار کے بارے میں ہے۔ جس کو فریقین نے نقل کیا ہے۔ قصہ یوں ہے کہ حضرت عمار کو جب مجبور کیا گیا تو وہ کلمۂ کفر کا اظہار کر بیٹھے لیکن ان کے والدین نے شہادت کو گلے لگا لیا۔ عمارؓ سرکار رسالت کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوئے۔ اسی درمیان کچھ اصحاب نے کہا عمار کافر ہو گئے۔ لیکن رحمت دو عالم نے آگے بڑھ کر عمار کے آنسو پونچھے اور فرمایا اگر کفار پھر مجبور کریں تو پھر وہی کرنا جو کر چکے ہو اس لئے کہ آیت نازل ہو چکی ہے۔ "کہ جس کو مجبور کیا جائے اظہار کفر پر حالانکہ اس کا دل ایمان سے لبریز ہو" یہ روایت بالصراحت تقیہ اور اظہار کلمۂ کفر کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔

۲۔ اس روایت کو بھی فریقین نے نقل کیا ہے اور آیات کے ذیل میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ مسیلمۂ کذاب نے پیغمبرؐ کے دو صحابیوں کو پکڑ کر اپنی نبوت کی شہادت دینے پر مجبور کیا ایک نے شہادت دے دی مگر دوسرے نے انکار کر دیا اور شہید ہو گیا۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ پہلے نے خدا کی دی ہوئی چھوٹ سے استفادہ کیا لیکن دوسرے نے حق کا اظہار بانگ دہل کیا

اور شہادت اس کو مبارک ہو۔" اگرچہ اس روایت میں نبی اکرمؐ سے اظہار بیزاری کا ذکر نہیں ہے لیکن مسیلمہ کی رسالت کی گواہی کلمۂ کفر ہے۔ جب یہ جائز ہے تو وہ بھی جائز ہے۔

۳۔ ان دونوں روایتوں کے ہم معنیٰ ایک روایت کو اصول کافی میں کلینی نے عبداللہ ابن عطاء کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں میں نے امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ کوفہ کے دو اشخاص پکڑے گئے اور ان سے کہا گیا کہ امیر المومنینؑ سے بیزاری کا اظہار کریں۔ ان میں سے ایک نے قبول کر لیا اور دوسرے نے انکار کر دیا۔ چنانچہ پہلے کو چھوڑ دیا گیا اور جس نے انکار کیا اسے قتل کر دیا گیا .... تو امیر المومنینؑ نے فرمایا! جس نے بیزاری کا اظہار کر دیا وہ فقیہ ہے لیکن جس نے انکار کر دیا اس نے جنت حاصل کرنے میں جلدی کی۔[1]

اس روایت کی دلالت کے بارے میں ہم عرض کریں گے کہ اس کا رجحان فعل تقیہ کی جانب ہے۔ یا ترک تقیہ کی طرف۔

۴۔ کلینی مسعدۃ ابن صدقہ سے ناقل ہیں۔ ابن صدقہ نے بیان کیا کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کی لوگ کہتے ہیں۔ امیر المومنین علیؑ نے منبر کوفہ سے اپنے خطاب میں اعلان فرمایا: "اے لوگو! عنقریب تم کو مجھ پر سب و شتم کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ تو اس وقت تم مجھ پر سب و شتم کر سکتے ہو۔ پھر تمہیں مجھ سے اظہار برائت کے لئے کہا جائے گا۔ مگر مجھ سے اظہار برائت نہ کرنا۔" .... اس پر امام جعفر صادقؑ نے فرمایا، "لوگ علیؑ کے بارے میں کس قدر جھوٹ بولتے ہیں۔" حالانکہ آنحضرتؑ نے یوں فرمایا تھا۔ "اگر تمہیں مجھ پر سب و شتم کرنے کے لئے کہا جائے گا تو کر دینا۔ پھر اظہار برائت کے لئے کہا جائے گا تو یاد رکھو میں دین

[1] ۔ ج ۲۔ باب ۲۹۔ الباب مر بالمعروف۔

محمدؐ پر ہوں۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ سے اظہار برائت نہ کرنا۔ جب بات یہاں تک پہنچی تو سائل نے عرض کی "کیا آپ یہ فرماتے ہیں کہ میں اظہار برائت کے بجائے قتل ہو جانا اختیار کروں۔؟" تو آپ نے فرمایا: "حضرت کی مراد یہ نہیں" اس سے مراد وہی طریقہ ہے جو عمار ابن یاسر نے اس وقت انتخاب کیا جب کفار مکہ نے ان کو مجبور کیا۔ جب کہ ان کا دل ایمان سے مطمئن تھا جس پر پروردگار نے یہ آیت نازل فرمائی "مگر وہ شخص جس کو مجبور کیا جائے حالانکہ اس کا دل ایمان سے مملو ہو۔" تو پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: اے عمار! اگر وہ لوگ دوبارہ مجبور کریں تو تم پھر وہی کرو۔ خدا نے تمہارے عذر سے مجھے آگاہ کر دیا ہے۔[1]

اگرچہ اس روایت سے بھی تقیہ کا وجوب ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ روایت میں صرف حرمت تقیہ کی نفی مقصود ہے۔ خاص طور سے علیؑ اور اولاد "آئمہ" علیہم السلام سے اظہار برائت کے سلسلہ میں کہ صرف جن کی ہتک حرمت بلکہ ان کو گالی دینا بھی لوگ جائز سمجھتے تھے۔

اس کے علاوہ حضرت کا یہ فرمانا کہ " واللہ ماذالک الیہ " یعنی امیر المومنینؑ کی مراد یہ نہیں۔" اور اس کے بعد قصۂ حضرت عمار بیان کرنا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ روایت وجوب تقیہ کو ثابت نہیں کرتی بلکہ حرمت تقیہ کی نفی کرتی ہے۔ اسی لئے حضرت عمار کے والدین کا فعل بھی جائز تھا۔ جیسا کہ ان کی داستان سے ظاہر ہے۔

۵۔ محمد ابن مسعود عیاشی اپنی تفسیر میں ابوبکر حضرمی کے حوالے سے امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ۔ حضرت کی خدمت میں عرض کیا گیا۔" آپ کو دونوں میں سے کون

[1] ۔ ج ۲۔ باب ۲۹۔ الباب مر بالمعروف۔

کی چیز پسند ہے۔ گردن کٹا دینا یا علی علیہ السلام سے اظہار برائت کرنا۔؟" آپ نے فرمایا مجھے رخصت پسند ہے۔ کیا تم نے عمار کے بارے میں پروردگار عالم کا قول نہیں سنا۔ "الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان"۔

عنقریب ہم عرض کریں گے کہ رجحان رخصت پر اس روایت کی دلالت دوسری روایت سے ٹکراتی ہے۔ اور اس ٹکراؤ کے سمجھوتہ کا طریقہ بھی بتائیں گے۔[1]

۶۔ عبد اللہ ابن عجلان کے حوالے سے عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے ناقل ہیں کہ عبد اللہ نے امام کی خدمت میں عرض کی کوفہ میں ضحاک ظاہر ہوچکا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں اظہار برائت کے لئے کہا جائے گا۔ فرمائیے ہم کیا کریں۔؟ آپ نے فرمایا تم اس سے برائت کرو۔ میں نے عرض کی "دونوں میں سے آپ کو کیا پسند ہے۔؟" آپ نے فرمایا "مجھے یہ پسند ہے کہ تم عمار ابن یاسر کا طریقہ اختیار کرو۔ جب مکہ میں پکڑے گئے اور ان سے کہا گیا کہ رسول اللہ سے بیزاری کا اظہار کرو۔ تو انھوں نے کردیا۔ تو خداوند عالم نے آیت کے ذریعہ ان کے عذر کو بیان کیا۔ "الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔"[2]

پہلی نظر میں اس روایت سے بھی وجوب ہی ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن جو روایتیں برائت کے اظہار سے ممنوعیت پر دلالت کرتی ہیں ان کی وجہ سے وجوب خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ جب کہ یہاں بھی قصۂ عمار اور ان کے والدین کی شہادت کو شاہد بنانا اس امر پر دلالت کرتا

۱۔ ج ۱۲۔ باب ۲۹۔ الواب امر بالمعروف۔

۲۔ ج ۱۲۔ " " " " " " " "

ہے کہ یہ روایت صرف تقیہ کی اجازت دیتی ہے اس کے وجوب پر دلالت نہیں کرتی۔

۷۔ طبرسی نے "احتجاج" میں امیر المومنین کی کسی موبونانی" سے بحث نقل کی ہے۔ آپ نے فرمایا: میں تم کو دین خدا میں تقیہ کے استعمال کا حکم دیتا ہوں۔ چوں کہ پروردگار عالم فرماتا ہے۔ "مومن مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا سرپرست نہ بنائیں اور جو بھی ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی ربط نہیں۔ مگر یہ کہ تم ان سے کسی خوف کی بنا پر تقیہ کرو۔" اگر خوف لاحق ہو تو تمہیں اپنے دشمنوں کی برائی اور فضیلت کے بیان، دونوں کے موقع پر اظہار برائت اور جان پر مصیبتوں اور آفتوں کے خطرے کے وقت ترک صلاۃ کی اجازت دیتا ہوں۔ اس لئے کہ تمہارا ہمارے دشمنوں کی برائی بیان کرنا نہ ان کے لئے منفعت بخش ہے اور نہ ہمارے لئے مضر ہے۔ تم اگر تقیہ کے طور پر ہم سے اظہار برائت کرو گے تو اس سے ہماری تقدس ہوگی اور نہ مرتبہ کم ہوگا۔ اگر تمہارا دل ہمارے ساتھ ہے اور اس میں ہماری محبت ہے تو زبان سے تھوڑی دیر ہم سے اظہار برائت کرنا تمہاری اس روح کی بقا ہے جس سے تمہارا نفس قائم ہے۔ اس مال کی حفاظت ہے جو تمہارا سہارا ہے اور اس عزت و مرتبہ کا ضامن ہے جس کے ساتھ تم متمسک ہو۔ اس کے ذریعہ تم اس شخص سے بچے رہو گے جو ہمارے دوستوں اور محبتوں کو پہچانتا ہے۔ لہذا بے شک تقیہ تمہارے لئے اپنے کو ہلاک کرنے سے افضل ہے۔ اور سلسلۂ عمل منقطع کرنے سے بہتر ہے۔ اور اسی میں تمہارے مومن بھائیوں کی بہتری ہے۔ .... خبردار یاد رکھو میں نے جس تقیہ کا تمہیں حکم دیا ہے اسے ہرگز ترک نہ کرنا اس لئے کہ اگر تم اسے ترک کروگے تو اپنا اور اپنے بھائیوں کا خون ضائع کروگے۔ اپنی اور ان کی نعمتوں کو برباد کروگے۔ اور دشمنان دین خدا کے ہاتھوں ان کو ذلیل کروگے۔ جب کہ خدا نے تم کو ان کا احترام و اکرام کرنے کا حکم دیا ہے۔ .... یاد رکھو! اگر تم نے میری وصیت کی مخالفت کی تو خود تمہارے لئے اور تمہارے مومن بھائیوں کے لئے تمہارا

تمہارا ضرر ہمیں سب وشتم کرنے والے "ناصبی" اور ہمارا انکار کرنے والے "کافر" سے زیادہ ہوگا۔[1]

شاید جس وقت حضرت نے یہ حدیث ارشاد فرمائی اس وقت تک شام کے علاقے رومیوں اور مشرکوں کے قبضے میں ہی تھے۔ اس لئے کہ اختیاری حالت میں نماز چھوڑ کر تقیہ مسلمانوں کے درمیان نہیں بلکہ کفار کے درمیان ہی ہو سکتا ہے۔ .... پھر امام کا یہ فرمانا "کہ خود کو ہلاکت میں مبتلا کرنے سے تقیہ کرنا افضل ہے۔" اگرچہ بادی النظر میں اس سے تقیہ کی افضلیت ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن حدیث کے آخر میں آپ کا خبردار کرنا اور یہ فرمانا کہ تقیہ ترک کر کے تم اپنے بھائیوں کو جو نقصان پہنچاؤ گے وہ کفار اور ناصبیوں کی ضرر رسانی سے بدتر ہوگا۔ اس مقام پر وجوب تقیہ کی روشن دلیل ہے۔ یہاں پر اسم تفضیل کا صیغہ تعین کے لئے ہے جیسا کہ آیت "اولو الارحام بعضهم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ۔" اور روایت "یوم شک۔" احب من ان یضرب عنقی۔ " میں وارد ہوا ہے۔...

....

لہٰذا ادائے کلمۂ کفر اور اظہار برائت جیسے موارد میں تقیہ کے وجوب پر اس روایت کی دلالت مسلّم ہے۔ لیکن اس روایت کا "مرسل" ہونا غیر معتبر بنا دیتا ہے۔ اس لئے کہ طبرسیؒ نے سند کا ذکر کئے بغیر اسے امیر المومنین علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔ رہ گیا تفسیر امام عسکریؑ میں اس کا مروی ہونا تو وہ اسے حجت نہیں بناتا۔

البتہ یہ اور بات ہے کہ دلالت کے ساتھ اگر اس کی سند بھی کامل ہوتی جب بھی اس پر

۱۔ ج ۱۱ - باب ۲۹ - ابواب امر بالمعروف۔

عمل مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ متواتر روایتیں اس مورد میں ترک تقیہ کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اسے ہم آئندہ ذکر ہونے والی تفصیل پر حمل کریں یا بعض اوقات کے لئے مخصوص قرار دیں۔

روایات تفصیل:

وہ روایات پیش خدمت ہیں کہ جن میں تفصیل وارد ہوئی ہے کہ سب وشتم میں تقیہ جائز ہے لیکن اظہار برائت میں جائز نہیں ہے۔

۱۔ امام جعفر صادقؑ کی اس روایت کو کہ جس کو "انھوں نے اپنے اجداد کے حوالے سے نقل کیا ہے۔" شیخ نے اپنی "مجالس" کی زینت بنایا ہے۔ فرماتے ہیں: امیر المومنینؑ نے فرمایا: "عنقریب تم کو مجھے برا کہنے کے لئے کہا جائے گا (العیاذ باللہ) تو تم مجھے برا کہہ دینا اور تمہیں مجھ سے اظہار برائت کرنے پر مجبور کیا جائے گا تو تم اپنی گردن پیش کر دینا اس لئے کہ میں فطرت اسلام پر ہوں۔[1]"

(اس روایت میں مذکور تفصیل سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ "سب" میں تقیہ جائز ہے جبکہ برائت میں جائز نہیں۔)

۲۔ شیخ نے دعبل خزاعی کے برادر ابن علی کے حوالے سے امام رضاؑ کی ایک حدیث جس کو حضرت نے اپنے اجداد کے ذریعہ امیر المومنینؑ سے بیان کی ہے علیؑ نے فرمایا: "عنقریب تم سے مجھے برا بھلا کہنے کا مطالبہ کیا جائے گا اگر جان کا خطرہ محسوس کرو تو کہہ دینا۔ لیکن اگر مجھ سے برائت

۱۔ ج ۸ - باب ۲۹ - ابواب امر بالمعروف۔

کرنے کے لئے کہا جائے تو ہرگز ایسا نہ کرنا۔ اس لئے کہ میں فطرتِ اسلام پر ہوں۔[1]

یہ حدیث بھی گذشتہ حدیث کی مانند تفصیل پر دلالت کرنے کے علاوہ برائت کی حرمت میں ظہور رکھتی ہے۔

۳۔ سید رضی (قدس سرہ) نے نہج البلاغہ میں امیر المومنینؑ سے روایت نقل کی ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا: لوگو! باخبر رہو! میرے بعد ایک ایسا شخص تم پر مسلط ہوگا جو بڑی توند اور کشادہ حلق والا ہوگا............ جو کچھ پائے گا سب چٹ کر جائے گا اور پھر مزید کا مطالبہ کرے گا بس تم اسے قتل کر دینا۔ حالانکہ تم ہرگز اسے قتل نہیں کرو گے۔ مگر وہ تم سے مجھے برا کہنے اور مجھ سے برائت کرنے کا مطالبہ کرے گا تم مجھے برا کہہ لینا اس لئے کہ وہ میرے لئے زکات ہے اور تمہارے لئے نجات لیکن مجھ سے برائت نہ کرنا اس لئے کہ میں مسلمان پیدا ہوا ہوں اور ایمان لانے اور ہجرت کرنے میں دوسروں پر میں نے سبقت کی ہے۔[2]

اگرچہ یہ روایت اپنے مضمون کے اعتبار سے مسعدۃ ابن صدقہ کی روایت سے ٹکراتی ہے لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ روایت دشمنی اور اندھیر فضا میں غرقِ غرور و تکبر کے اس دور سے متعلق ہے جس میں کلمۂ حق کا اظہار اور اس کے لئے اپنی جانوں کا فدیہ پیش کرنا آثارِ نبوت کی حفاظت کے لئے کم سے کم واجب کفائی تھا۔ اس لئے کہ تمام دشمن مل کر آثار دینی بلکہ آثار نبی مٹانے پر حسبِ معمول کمر بستہ ہو گئے تھے۔ اسی لئے دوستوں کو کمتر درجے والے "سب" جیسے منکرات میں تقیہ کی اجازت دی گئی اور برائت جیسے شدید منکرات میں تقیہ سے روک

1۔ ج ۹۔ باب ۲۹۔ الامر بالمعروف۔

2۔ ج ۱۰ . . . .

دیا گیا۔

خدانخواستہ اگر ہمیں بھی امیر المومنینؑ کے دور جیسے وقت سے گذرنا پڑے جس میں آپ کی شہادت کے بعد دشمنوں نے آپ کے آثار مٹا دینا چاہے تھے تو اس وقت دشمنوں کی گردنیں اڑا دینا اور کلمۂ حق کے اثبات اور باطل کے محو کر دینے کے لئے اپنی جانیں قربان کر دینا واجب ہو جائے گا۔

دوسری بحث:

اس بحث میں یہ طے کرنا ہے کہ تقیہ کے اختیار اور ترک میں سے ترجیح کس کو دی جائے۔ گذشتہ روایت "حسن" جو ان دو اشخاص کے بارے میں تھی جن کو مسیلمۂ کذاب نے گرفتار کر کے اظہار برائت پر مجبور کیا تھا سے پتہ چلتا ہے کہ ترک تقیہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ تارک تقیہ نے حق کا اعلان کیا جس کو اس کے لئے مبارک قرار دیا گیا۔ جبکہ دوسرے نے صرف رخصتِ الٰہی سے استفادہ کیا اور بس............ اسی طرح وہ تین روایتیں جو نفرت ظاہر کرنے سے منع کرتی ہیں اور راہ دین میں جان کی قربانی اور موت کو گلے لگانے کی ترغیب دیتی ہیں وہ ترک تقیہ کو بہتر قرار دیتی ہیں لیکن اس وقت جب بات سب و شتم سے آگے بڑھ جائے اور برائت کی نوبت آ جائے۔ ظاہر ہے کلمۂ کفر بھی برائت ہی کے حکم میں ہے۔

ان روایات کے علاوہ ترک تقیہ کے بہتر ہونے پر جان نثاران اہلبیت اور چھ یا دس اصحاب علیؑ کا عمل جو شام کی ایک چراگاہ "مرج عذرا[1]" میں معاویہ کے حکم سے شہید کر دیئے

1۔ شام کے قریب ایک وسیع و عریض چراگاہ ہے۔

گے۔ ہمارے لئے بہترین سند ہے۔

حجر بن عدی اور مرج عذرا میں شہید ہونے والے وہ چھ یا دس اہلبیت کے جاں نثار جیسے میثم تمار، رشید الہجری، عبداللہ بن عفیف الازدی، عبداللہ بن یقطر اور سعید ابن جبیر کے علاوہ وہ اسلام کے فدائی جو مظلوم کربلا کے ساتھ شہید ہو گئے ان سب نے برائت پر شہادت کو ترجیح دے کر ہمارے لئے ایسے مواقع پر ترک تقیہ کی بہترین مثال قائم کی ہے۔......

.... یہ وہ زندہ جاوید ہستیاں ہیں جن میں اکثر کی داستان شہادت کو موافق و مخالف دونوں نے اپنے نوشتوں کی زینت بنایا ہے.......

چنانچہ «ذہبی» حجر کے بارے میں رقمطراز ہے کہ زیاد ابن ابیہ کو منبر پر جھٹلایا کرتے تھے۔ ایک بار آپ نے اسے کنکری کا نشانہ بھی بنایا اس پر زیاد نے یہ قصہ معاویہ کو لکھا اور حجر کو گرفتار کرکے معاویہ کے پاس روانہ کر دیا۔ وہاں کچھ دین فروش گواہ بھی جمع ہو گئے جنھوں نے جناب حجر کے خلاف گواہی دی۔ جناب حجر کے ساتھ بیس افراد تھے۔ معاویہ نے سب کو قتل کر دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے انھیں "مرج عذرا" کی طرف بھیج دیا۔...... جب یہ حضرات عذرا پہنچے تو کہا جاتا ہے کہ معاویہ کا آدمی آیا اور اس نے پیش کش کی کہ توبہ کریں اور علی سے اظہار برائت کریں۔ دس آدمیوں نے اس پیش کش کو حقارت سے ٹھکرا دیا جب کہ دس نے قبول کر لیا۔ چنانچہ وہ دس شہید کر دیئے گئے جنھوں نے معاویہ کی پیشکش کو ٹھکرا دیا تھا۔[۱]

"اعلام الوری" میں حکایت کی گئی ہے کہ ایک روز معاویہ عائشہ کے ہاں پہنچے تو عائشہ نے پوچھا کہ تم نے اہل عذرا یعنی حجر اور ان کے ساتھیوں کو کس بنا پر قتل کیا۔؟ معاویہ نے

۱۔ رجال مامقانی۔

عرض کی۔ "اے ام المؤمنین! میں نے ان کے قتل کر دینے میں امت کی بہتری اور ان کو زندہ رکھنے میں امت کا فساد دیکھا اس لئے میں نے انھیں قتل کر دیا۔"......... اس پر عائشہ نے کہا میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ "عذرا میں کچھ لوگ میرے بعد قتل کئے جائیں گے جن کیلئے خدا اور اہل آسمان غضبناک ہوں گے۔"

سنہ ۵۱ھ یا ۵۳ھ میں ان کا قتل واقع ہوا ہے۔ "تاریخ ابن اثیر" اور کتاب ابی الفرج الکبیر میں یہ قصہ نقل ہے۔ مگر صرف حالات اور کیفیت قتل پر مشتمل ہے۔

بہر حال! یہ افراد یا ان جیسے بہت سے افراد علوم اہلبیت علیہم السلام کے ورثہ دار اور اپنی قوم میں اہلبیت علیہم السلام کے نمائندے اور ہر حال میں ان کے دوستدار رہتے ایسے تھا کیا یہ لوگ احکام شریعت سے آگاہ اور ناخوش گوار حوادث و واقعات میں اپنی شرعی ذمہ داریوں سے خبردار نہیں تھے۔؟ پس اگر ترک تقیہ ان کی نظر میں ناپسندیدہ ہوتا یا ترک اور فعل تقیہ دونوں مساوی ہوتے تو پھر وہ ترک کو فعل پر ترجیح کیوں دیتے۔؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان جیسے حالات میں ترک تقیہ ہی بہتر ہے.......... اس کے علاوہ میثم تمار اور جناب عمرو بن الحمق الخزاعی وغیرہ کے حالات میں منقول بہت سی احادیث میں ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ان کو اپنی راہ میں قتل کر دیئے جانے کی خبر دی تھی۔ ان کی تعریف بھی کی تھی۔ اور ان میں سے بعض پر آپ روئے بھی تھے۔ ان سارے واقعات میں دوسروں کے لئے ترغیب و تشویق موجود ہے کہ تقیہ ترک کریں۔ اگر ترک تقیہ جائز نہ ہوتا تو امیر المومنین کا یہ فعل درست نہ ہوتا.....

.... بلکہ ساری روایتوں میں ملتا ہے کہ تمام ائمہ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ علیہم السلام نے ایسے موارد میں ترک تقیہ کو مستند قرار دیا ہے۔

معاویہ کے ایک خط کے جواب میں امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کو اس کی بداعمالیوں اور بے دینیوں کی واضح الفاظ میں خبر دیتے ہوئے عمر ابن الحمق، حجر ابن عدی اور ان کے اصحاب کے بارے میں لکھا ہے: اے معاویہ! کیا تم کندہ کے بھائی، حجر ابن عدی اور بہت سے دوسرے ایسے نمازگزاروں اور عابدوں کے قاتل نہیں ہو جو ظلم کو ناپسند کرتے تھے، بدعتوں کو گناہ کبیرہ سمجھتے تھے اور خدا کی راہ میں اہل ملامت کی ملامت سے خوف نہیں کھاتے تھے۔ تم نے انہیں نہایت سفاکی اور بڑی بے دردی سے قتل کیا جب کہ تم نے ان کے ساتھ وفاداری کا عہد و پیمان باندھا تھا؟

کیا تو نے صحابی رسولؐ حضرت عمرو ابن الحمق کو امان دینے کے بعد قتل نہیں کیا کہ کثرت عبادت سے جن کا بدن لاغر ہو گیا تھا .... اور ان کا رنگ زرد ہو گیا تھا؟ جب کہ تو نے ان کو امان دی تھی اور ان کے ساتھ ایسا مضبوط عہد و پیمان باندھا تھا کہ اگر وہ عہد کسی پرندے کے ساتھ بھی کیا جاتا اور تو اس کے بعد اس کو قتل کر دیتا تو تو استخفاف عہد اور پروردگار کے خلاف جرأت و جسارت کا مجرم قرار پاتا۔

بلکہ حجر اور ان کے اصحاب کے بارے میں عائشہ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسول خدا نے بذات خود بھی ان پر افسوس کیا، ان کے لئے غضب کا اظہار کیا اور ان کی عظمت بیان فرمائی۔

یہ سارے مدارک اس بات کی دلیل ہیں کہ ان کا عمل مستحسن تھا، رسولؐ اس سے خوش تھے اور اہلبیت علیہم السلام اس سے راضی تھے۔ اگر ترک تقیہ مکروہ ہوتا تو رسولؐ اور اہلبیتؑ کبھی بھی خوش نہیں ہو سکتے تھے۔

لیکن اس کے باوجود آپ کو معلوم ہے کہ بہت ساری روایات ان موارد میں ایسی ہیں جو تقیہ کو اچھا سمجھتی ہیں، اور رخصت الٰہی سے استفادہ کرنے کو کہتی ہیں۔ لہذا ہمیں یہ

تلاش کرنا ہے کہ ان روایات کے مضامین میں ہماہنگی کیسے پیدا کی جائے۔

احادیث کے مضامین میں ہماہنگی کا طریقہ

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اس سلسلہ میں بہترین طریقہ وہ تفصیل ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا تھا کہ حدیثیں مختلف زمانوں اور شخصیتوں کے بارے میں ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص ایک امت کی رہبری کے عہدے پر فائز ہو، لوگ اس کی اقتدا کرتے ہوں اور وہ اہلبیت علیہم السلام سے تقرب کے عنوان سے معروف ہو اس کے لئے ایسے موارد میں نقصان اٹھانا، مصیبتوں کو برداشت کرنا، یہاں تک کہ جام شہادت پی جانا نہ صرف یہ کہ بہتر ہے بلکہ کبھی واجب بھی ہو جاتا ہے۔ خصوصاً اس وقت جب کہ ان حوادث سے گریز کے نتیجہ میں حق کے فاسد ہو جانے، ارکان اسلام کے متزلزل ہو جانے اور آخر کار دین کے متضرر ہو جانے کا اندیشہ ہو۔" یعنی ایسے موقع پر ایسے شخص کے لئے ترک تقیہ واجب ہے۔" ....

.... اسی طرح زمانوں کے اعتبار سے اگر بنی امیہ جیسا دور ہو، خصوصاً وہ تاریک دور جو شہادت امیرالمؤمنین علیہ السلام کے بعد تھا جس میں اسلام کی سرنوشت معاویہ کے ہاتھوں میں تھی۔ یا اس جیسے دوسرے ادوار جن میں مشرکوں اور دور جاہلیت کے باقی ماندہ گروہوں اور قرآن میں مذکورہ شجرۂ خبیثہ کے مصادیق نے نور خدا کو پھونکوں سے بجھا دینے اور نبی اکرمؐ کے حقیقی اوصیاء کی فضیلتوں پر پردہ ڈالنے کی ناپاک کوششیں اس لئے شروع کر دی

تھیں تاکہ لوگ خائب و خاسر ہو کر پچھلے پاؤں پلٹ جائیں ۔ اس قسم کے اعصار میں واجب ہے کہ کچھ مردان حق حق کا علم بلند کریں ، تقیہ چھوڑ دیں ، خدا کی روشن آیات کا اظہار کریں اور دشمنان دین کی سیاہ پیشانیوں کو داغدار بناتے ہوئے ظلم و طغیان کا رخ موڑ دیں ۔

اگر یہ لوگ اپنی جان و مال کی پرواہ کئے بغیر راہ خدا میں جہاد نہ کرتے تو اسلام ، قرآن اور صاحب قرآن کا صرف اسم و ذکر بطور رسم باقی رہ جاتا ۔ انصار و مہاجرین اور راہ ہدایت میں ان کا اتباع کرنے والے اپنی جانوں کی قربانیاں دے کر گذشتہ اور آئندہ نسل کے درمیان ایک واسطۂ خیر بن گئے ۔ اگر حجر ابن عدی ، میثم ، عمرو ابن الحمق ، عبداللہ ابن عفیف و عبداللہ ابن یقطر اور سعید ابن جبیر جیسے عاشقان دین الٰہی کا جہاد نہ ہوتا تو آثار نبوت اور آثار ائمہ علیہم السلام محو کر دیئے جاتے ۔ اس لئے کہ اسلامی حکومت کی فضا ایک پر باطل کا غلبہ تھا جس نے اپنے نت نئے مظالم کے ذریعہ لوگوں کو دبا دیا تھا ۔ دعوت اسلامی کے تمام مراکز ان کی نگرانی میں تھے اور لوگ تو بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں ۔

ہمارے اس نظریہ کی تائید شیخ انصاری کی عبارت سے ہوتی ہے ۔ فرماتے ہیں کہ " تقیہ وہاں مکروہ ہے جہاں نقصان کا تحمل تقیہ سے بہتر ہو جیسا بعض (فقہاء و علماء) نے اظہار کلمۂ کفر کے بارے میں فرمایا ہے ۔ لوگ جس کی اقتدا کرتے ہوں اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ کلمۂ اسلام کی سربلندی کی خاطر تقیہ ترک کر دے ۔ "

یہ حکم عصر بنی امیہ یا بنی عباس سے مختص نہیں بلکہ ہر وہ زمانہ جس میں ایسے حالات درپیش ہوں اس میں بغیر کسی فرق کے یہی حکم ہے ....

لیکن اگر زمانہ صادقین اور امام رضا علیہ السلام کے زمانہ سے مشابہ ہو جس میں مسئلہ اتنا سنگین نہیں تھا تو اس میں تقیہ کرنا بہتر ہے ، جیسا کہ اس باب کی احادیث سے ظاہر

ہوتا ہے ۔ لیکن استثنا پھر بھی محفوظ ہے ۔

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ترک تقیہ اور فعل تقیہ کے سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے ۔ اس لئے کہ امیر المومنین ؑ کے فوراً بعد والے زمانہ میں ترک تقیہ بہتر ہے جب کہ صادقین اور امام رضاؑ کے زمانہ میں فعل تقیہ مستحسن ہے ۔ اس لئے کہ دوسرے دور میں اسلام کو اتنا خطرہ نہیں تھا جتنا پہلے دور میں تھا ۔ لیکن دوسرے دور میں بھی یہ حکم ہر شخص کے لئے نہیں بلکہ جو لوگ امت کی رہبری کے عہدہ دار ہوں ان کیلئے ترک تقیہ ہی بہتر ہے .... رہ گیا مسئلہ ہمارے دور کا تو اس میں بھی حکم مختلف ہے ۔ جیسے حالات ہوں ویسا ہی حکم ہوگا ۔ حالات و حوادث کی ناگواریوں کے تحت کبھی ہمیں اصحاب امیر المومنین ؑ کی سنت اپنانا پڑے گی تو کبھی اصحاب صادقین کی پیروی کرنا پڑے گی ۔

تقیۃ

پڑھی گئی نماز کا حکم

بے شک خوف کی بنا پر مخالف عقیدہ کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ لیکن آیا حسن معاشرت کے تقاضوں کے تحت اور اتحاد و دوستی برقرار کرنے کے لئے بغیر خوف پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔؟ (یہ مسئلہ قابل بحث ہے۔)

ہمارے زمانہ میں اور خاص طور سے حج کے موسم میں ان لوگوں کی جماعت میں عدم شرکت جان و مال یا عزت و ناموس کے لئے باعث ضرر نہیں ہے۔ تاہم اخوت اسلامی اور حسن معاشرت کا ثبوت دینے کے لئے ان کے ساتھ نماز پڑھنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ اور اکثر روایات بھی اس کی شاہد ہیں۔ بلکہ شاید اس مضمون کی روایات متواتر ہوں۔۔۔۔۔
۔۔۔۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سوال یہ اٹھتا ہے کہ آیا جماعت کی نیت سے نماز پڑھے یا فرادیٰ کی نیت سے نماز میں ظاہری طور پر شریک ہو جائے۔ لیکن جہاں تک ممکن ہو اپنی نماز پڑھتا رہے اور افعال

میں ان کا ساتھ دیتا رہے۔؟

اگر یہ کہا جائے کہ جماعت کی نیت سے پڑھے تو آیا وہ نماز کافی ہوگی یا اس کو اس نماز سے پہلے یا بعد میں اپنے مذہب کے مطابق نماز پڑھنا ہوگی۔؟

اگر ہم یہ کہیں کہ اس کو جماعت میں شریک ہو کر اپنی نماز پڑھنا چاہیئے تو اس صورت میں جماعت کی ظاہری شکل کو برقرار رکھنے کے لئے اجزاء و شرائط نماز میں جو کمی واقع ہوگی اس کمی کے باوجود آیا اس کی وہی نماز کافی ہوگی یا نہیں۔؟

ان سوالوں کے جواب دینے سے پہلے اس مسئلہ کے حل میں بیان ہونے والی روایات کی جانچ پڑتال ضروری ہے تاکہ ان کی روشنی میں صحیح نتیجہ اخذ کیا جاسکے۔۔۔۔۔۔۔۔
۔۔۔۔۔ روایات درج ذیل ہیں۔

۱۔ صدوق نے من لایحضرہ الفقیہ میں زید الشحام کے حوالے سے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے۔ "حضرت نے زید کو مخاطب قرار دیتے ہوئے فرمایا۔" اے زید لوگوں کے ساتھ ان ہی جیسا اخلاقی برتاؤ کرو۔ ان کی مسجدوں میں نماز پڑھو۔ ان کے مریضوں کی عیادت کرو۔ جنازوں میں شرکت کرو۔ اگر ممکن ہو تو ان کی امامت اور اذان گوئی کے فرائض انجام دو۔ اس لئے کہ جب تم ایسا کرو گے تو وہ کہیں گے یہ ہیں جعفری۔ خدا جعفر صادقؑ پر رحم کرے۔ وہ اپنے دوستوں کی کتنی اچھی تربیت کیا کرتے تھے۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو وہ کہیں گے جعفری ایسے ہی ہوتے ہیں۔ برا ہو "معاذ اللہ" جعفر صادقؑ کا جنھوں نے اپنے اصحاب کی صحیح تربیت نہیں کی۔[1]

۱۔ وسائل۔ ج ۵۔ باب ۷۵۔ ابواب جماعت۔

امام جعفر صادق ؑ نے جوان کی مسجدوں میں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے بلاشبہ اس سے مراد جماعت سے نماز پڑھنا ہے اور اطلاق مقالی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ نماز کافی ہے.......... لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ روایات اس جہت سے مقام بیان میں نہ ہو۔

۱۔ شیخ نے تہذیب میں اسحاق ابن عمار سے نقل کیا ہے۔ اسحاق کہتے ہیں، مجھ سے حضرت امام جعفر صادق ؑ نے فرمایا۔ اے اسحاق کیا تم ان کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتے ہو۔؟ میں نے عرض کی "ہاں" حضرت ؑ نے فرمایا۔ "ان کے ساتھ نماز پڑھا کرو" اس لئے کہ پہلی صف میں ان کے ساتھ نماز پڑھنے والا ویسا ہی ہے جیسے کوئی شخص راہ خدا میں جہاد کرنے کیلئے شمشیر برہنہ کرکے نکلے۔[1]

تقریباً ایک جیسے مضمون کی حامل ان روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ جماعت کی نیت کرکے نماز پڑھنا رجحان رکھتا ہے۔ اور وہ نماز کفایت کرے گی۔ اور اسکو دوبارہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ مگر یہ کہ الگ سے کسی دلیل سے دوبارہ پڑھنا ثابت ہو جائے۔

حاصل کلام یہ کہ اگر ہم ان روایات کی روشنی میں فیصلہ کریں تو ان کے ساتھ جماعت کی نیت کرکے نماز پڑھنے کا حکم دینے میں ہم حق بجانب ہوں گے اور یہ کہ وہ نماز کافی ہوگی چاہے ہمارے مذہب کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ اس کو رسول اللہ کی اقتداء سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کی شوکت وعظمت کا اظہار ہوتا ہے اور دشمنان

۱۔ ج ۱۲، باب ۵۔ ابواب صلاۃ الجماعۃ۔

اسلام کی جڑیں کھوکھلی ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے والے کو اللہ کی راہ میں تلوار کھینچنے والے سے تشبیہ دی گئی ہے.......... لیکن ان باتوں کے باوجود یہ روایات شیعہ علماء کے مسلک کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ آگے چل کر ہم صاحب حدائق کا نظریہ نقل کریں گے "اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایتیں واجب العمل نہیں ہیں۔"

۲۔ محاسن میں عبداللہ ابن سنان سے مروی ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق ؑ کو فرماتے ہوئے سنا۔ اے لوگو! میں تمہیں تقویٰ الٰہی اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ تم لوگوں کو اپنے کندھوں پر سوار نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم لڑکھڑا جاؤ۔ بے شک خدائے سبحان اپنی کتاب میں ارشاد فرماتا ہے۔ "لوگوں سے اچھی باتیں کرو۔" اس کے بعد حضرت ؑ نے فرمایا۔ "ان کے مریضوں کی عیادت اور ان کے جنازوں میں شرکت کرو۔ ان کے حق میں یا ان کے خلاف جیسا موقع ہو گواہی دو اور ان کے ساتھ مسجدوں میں نماز پڑھو۔[2]"

۳۔ احمد بن محمد بن عیسیٰ نے اپنے نوادر میں سماعہ سے نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے ان کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم کرنے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے دریافت کیا تو امام نے فرمایا۔ "یہ بہت مشکل کام ہے جو تم سے ممکن نہیں ہوگا۔ البتہ رسول اللہ نے ان کے ساتھ رشتہ کیا اور علی ؑ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی۔[3]"

یہ تین روایتیں بھی اتحاد کو برقرار رکھنے کی خاطر ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں.......... البتہ ممکن ہے کہ روایت علی ابن جعفر ایسے موقع سے مربوط

۱۔ ج ۸، باب ۵۔ ابواب صلاۃ الجماعۃ۔

۲۔ ج ۸، باب ۵۔ ابواب صلاۃ الجماعۃ

ہو جب انسان کو جان و مال کا خطرہ درپیش ہو۔ جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ "ان کی اقتدا میں نماز پڑھے اور وہ نماز کافی ہوگی۔" علاوہ اس کے علاوہ نماز کو نکاح کے ساتھ ذکر کرنا اس امر کا گواہ ہے کہ اس سے مراد نماز واجب کا بجالانا اور اسی کو کافی سمجھنا ہے۔

اسی طرح امام کا یہ فرمانا کہ یہ مشکل کام ہے جو تم سے ممکن نہیں ہوگا اسی چیز کی طرف اشارہ ہے کہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھے۔ اس لئے کہ اگر اس سے مراد فرادی نماز ہوتی اور پہلے یا بعد میں اس نماز کا پڑھنا ضروری ہوتا تو یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ بلکہ ہر آدمی ایسا کر سکتا ہے کہ ظاہری طور پر ان کے ساتھ شریک ہو جائے۔ لیکن اپنی نماز الگ جا کر پڑھ لے۔

۴۔ صدوق نے بطور مرسل (راوی کا ذکر کئے بغیر) نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ اگر تم ان کے ساتھ نماز پڑھو تو تمہارے مخالفوں کی تعداد کے برابر تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔[1]

یہ روایت بھی دوسری روایات کے مانند اصل جواز پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن اس میں اس نماز کے کافی ہونے یا نہ ہونے کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے۔ .... (یہ روایتیں بطور نمونہ ہم نے ذکر کی ہیں۔ تلاش کرنے والے کو بہت سی روایتیں اور بھی مل سکتی ہیں)

ان روایات کے بالکل برعکس وسائل کے چھٹے باب میں ابواب جماعت کے تحت کچھ روایات مذکور ہیں جن سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مخالف عقیدہ کے پیچھے پڑھی گئی نماز کافی نہیں ہے بلکہ یا تو پہلے اپنی نماز پڑھے یا بعد میں اس کا اعادہ کرے۔ بنابر ایں جو نماز ان کے ساتھ پڑھے گا وہ مستحب ہوگی اور جو پہلے یا بعد میں پڑھے گا وہ اس کی واجب نماز

۱۔ ج ۲۔ باب ۵۔ ابواب صلاۃ الجماعۃ

ہوگی۔ البتہ اگر تقیہ مستحب ہو تو نماز بھی مستحب ہوگی۔ لیکن اگر تقیہ خوف کی بنا پر واجب ہو تو نماز بھی واجب ہوگی۔ چنانچہ اس مضمون کی بعض روایات درج ذیل ہیں۔

۱۔ صدوق نے "فقیہ" میں عمر ابن یزید کے حوالے سے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے حضرتؑ نے فرمایا۔ تم میں سے ہر وہ شخص جو گھر میں اپنی واجب نماز پڑھنے کے بعد تقیہ کرتے ہوئے ان کے ساتھ نماز میں شرکت کرے اور باوضو بھی ہو تو خدا اس کے لئے پچیس[25] درجہ مخصوص فرمائے گا۔ لہٰذا تم اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔[1]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان کی اقتداء جائز ہوتی تو فرادی نماز پڑھنے کی ترغیب دینا بے کار ہوتا۔ یہ ترغیب گواہ ہے کہ ان کے ساتھ پڑھی گئی نماز کافی نہیں ہے۔ .... مگر خدا کرے کوئی یہ کہے کہ اس قسم کا احتجاج مستحب ہے۔ اس کے واجب ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ لہٰذا یہ ان کی اقتدا کے جواز سے منافات نہیں رکھتا۔ چاہے تقیہ کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ .... لیکن یہ کہنا آسان ہے۔ اس کا باور کرنا بہت مشکل ہے۔

۲۔ حضرت صدوقؒ نے عبداللہ ابن سنان کے واسطے سے امام جعفر صادقؑ سے بیان کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ اگر کوئی شخص وقت میں نماز سے فارغ ہو کر دوبارہ بحالت وضو ان کے ساتھ نماز پڑھے تو خداوند عالم پچیس[25] درجہ اس کے لئے لکھ دیتا ہے۔[2]

اسی راوی کا بیان ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا۔ میرے دروازے کے سامنے

۱۔ ج ۱۔ باب ۶۔ ابواب صلاۃ الجماعۃ

۲۔ ج ۳۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

مسجد ہے جس میں ہمارے دشمن اور مخالف ہوا کرتے ہیں اور وہ شام تک اس میں نمازیں پڑھتے ہیں میں عصر کی نماز پڑھ کر نکلتا ہوں اور پھر ان کے ساتھ جاکر نماز پڑھتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ تمہارے لئے چوبیس نمازوں کا ثواب لکھا جائے [1]

۴۔ شیخ نے ابوالحسن اول سے نشیط ابن صالح کے حوالے سے روایت کی ہے۔ نشیط کہتے ہیں میں نے امام کی خدمت میں عرض کیا۔ ہم میں سے ایک شخص اپنے گھر کے دروازے مقفل کر کے اپنے گھر میں بند ہو کے نماز پڑھتا ہے۔ اور پھر گھر سے نکل کر اسی نماز کو اپنے ہمسایوں کے ساتھ جماعت سے پڑھتا ہے۔ اس کا کیا حکم ہے؟ امامؑ نے فرمایا۔ ایسے شخص کو پروردگار عالم جماعت کا دوگنا ثواب دے گا اور اس کے لئے پچاس درجے ہوں گے۔ اور وہ نماز جو وہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہو کر پڑھتا ہے۔ اس کے لئے پیغمبرؐ کی اقتدا میں نماز پڑھنے والے کا ثواب لکھا جائے گا۔ وہ ان کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا ہے اور جب وہاں سے جاتا ہے تو اپنے گناہ ان کے لئے چھوڑ کر اور ان کی نیکیاں لے کر جاتا ہے [2]۔

اس روایت میں غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام نے اپنے جواب میں سائل کے فعل کو مستند قرار دے کر اس کے لئے ہر نماز پر دوہرا اجر بیان فرمایا ہے۔ اب اگر مخالف اور دشمن کے پیچھے پڑھی گئی نماز کافی ہوتی تو گھر میں پڑھی گئی نماز کا دوگنا اجر نہ ہوتا۔ خاص طور سے ایسے موقع پر جب وہ شخص اس قدر مجبور ہو کر گھر کے دروازے بند کر کے تنہا نماز پڑھے۔ ظاہر ہے ایسے موقع پر تقیہ جائز ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی اگر

۱۔ ج ۲۔ باب ۶۔ ابواب صلاۃ الجماعۃ

۲۔ ج ۹ " " " " " " " "

کوئی شخص اپنی نماز جداگانہ ادا کرے تو وہ دوہرے اجر کا مستحق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مخالف عقیدہ کے پیچھے پڑھی گئی نماز کافی نہیں ہے۔ مترجم)

ممکن ہے اس حدیث سے مراد یہ ہو کہ دونوں نمازوں کو کافی سمجھنا جائز ہے گھر میں پڑھی گئی نماز کا اجر جماعت کے دوبرابر ہے۔ اور جماعت سے پڑھی گئی نماز کا اجر رسول اللہ کے پیچھے نماز پڑھنے والے کے برابر ہے۔

خلاصہ اس مطلب کی اور بھی بہت سی روایات ہیں۔ ان کے علاوہ وہ روایات بھی ہیں کہ جو مخالف عقیدہ کی اقتدا میں پڑھی گئی نماز کو ناکافی قرار دیتی ہیں۔ اگر ہم ان روایتوں اور پہلے طائفہ کی روایتوں میں جو مخالف عقیدہ کی اقتدا کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ مجموعہ کرنا چاہیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ اگر تقیہ خوف کی بنا پر نہ ہو اور نماز گذار ان کی جماعت سے پہلے یا اس میں شرکت کے بعد اپنی نماز فرادی پڑھنے پر قادر ہو تو ضرور پڑھے۔

مختصر یہ کہ اگر تقیہ تحبیبی (حفظ وحدت کے لئے) ہو اس صورت میں ان کے پیچھے پڑھی گئی نماز کا کافی سمجھنا مشکل ہے۔ اگرچہ طائفہ اول والی روایات یہی کہتی ہیں کہ وہ نماز کافی ہے۔

یہ سب باتیں اپنی جگہ پر لیکن اس کوئی شک نہیں کہ طائفہ اولیٰ والی روایات کی روشنی میں ان کے ساتھ جماعت میں شریک ہونا جائز ہے اور جو روایات یہ کہتی ہیں کہ ان کی اقتدا نہیں ہے بلکہ صرف ان کے ساتھ شریک ہوتا کہ ان کو دکھا سکے کہ ان کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے۔ یہ پہلے طائفہ سے منافات نہیں رکھتیں۔ .... البتہ یہ سب تدبیریں وہاں کام میں لائی جائیں جہاں تقیہ حفظ اتحاد کے لئے ہو۔ لیکن اگر تقیہ خوف کی بنا پر ہو تو ان کے پیچھے پڑھی گئی نماز کافی ہے۔ اس کیلئے یہ دیکھنا باقی ہے کہ آیا اس

کفایت کے لئے تنہائی میں کسی دوسری جگہ نماز پڑھنے کا امکان ہونا شرط ہے یا نہیں تفصیل اس مسئلہ کی تنبیہات میں آئے گی۔

تقیہ

سے ملحق ضروری مسائل

پہلا مسئلہ:

کیا تقیہ مخالف مذہب کیساتھ مخصوص ہے

جب ہم روایات کو دیکھتے ہیں تو اکثر روایتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تقیہ مخالفوں سے مخصوص ہے۔ ان روایتوں سے انسان کو یہ وہم ہوتا ہے کہ حکم تقیہ صرف مذہب کے مخالفوں کے ساتھ مختص ہے۔ بنابرایں اپنوں کے سامنے یا کفار و مشرکین کے سامنے تقیہ نہیں کیا جا سکتا.............. درج ذیل عبارت میں شیخ انصاری اپنے رسالہ تقیہ میں فرماتے ہیں۔

تقیہ کے لئے شرط یہ ہے کہ غیر مذہب والوں سے ہو۔ جیسا کہ تقیہ کی اجازت دینے والی دلیلوں سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ تقیہ غیر مذہب والوں سے مخصوص ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ حکم مذکور کافروں اور شدید ظالموں کے بارے میں ہی جاری نہیں ہوگا لیکن آئندہ ذکر ہونے والی مسعدۃ ابن صدقہ کی روایت اور تقیہ کے ذیل میں وارد ہونے والی روایتوں کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ تقیہ کا حکم عام ہے۔ یعنی غیر مذہب والے اور کفار و شدید ظالموں سب کو شامل ہے۔

مسعدۃ ابن صدقہ کی روایت میں مورد تقیہ کی جانب یوں اشارہ کیا گیا ہے "جو ایک ایسی ظالم قوم جس کا حکم و عمل حق کے حکم و عمل کے برخلاف ہو۔ اس قوم کے سامنے تقیہ پر مبنی مومن کا ہر عمل جو دین میں فساد کا باعث نہ بنے جائز ہے۔"

مجھے اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ہے کہ تقیہ کے معنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس میں کوئی شک نہیں کہ اصطلاح ادلہ اور لغت کی روشنی میں حکم تقیہ غیر مذہب والوں سے مخصوص نہیں ہے۔ اس لئے کہ تقیہ کا مطلب ایسے عقیدہ یا دینی عمل کو پوشیدہ رکھنا ہے جس کے اظہار میں نقصان ہو اور اس کا معیار و ملاک قاعدۂ اہم و مہم اور کم محذور کو محذور پر ترجیح دینا ہے۔ یہ ایک ایسا عقلی قاعدہ ہے جس کی ہر مذہب و مشرب والے عقلاً گواہی دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کچھ خاص مجبوریوں کے تحت زبان سے انکار بھی کرتا ہے۔ تاہم دل و جان سے وہ اس قاعدہ پر ایمان بھی رکھتا ہے اور وقت پڑنے پر اس کو کام میں بھی لاتا ہے۔

یہ چیز واضح ہے کہ تقیہ غیر مذہب والوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کو کافروں، مشرکوں اور شدید ظالموں کے سامنے بھی کام میں لایا جا سکتا ہے۔ بلکہ وہ موارد زیادہ ہیں کہ جہاں کمزور و ناتواں افراد بعض شدید ظالموں کے سامنے تقیہ کو سپر بناتے ہیں۔ اگرچہ اس قسم کا تقیہ عبادات میں نہیں ہوتا۔ بلکہ دوسرے امور میں ہوتا ہے۔

ان کے علاوہ وہ روایات اور قرآن کریم کی وہ آیات جو کافروں اور مشرکوں سے تقیہ پر دلالت کرتی ہیں وہ بھی اس امر کی گواہ ہیں کہ تقیہ غیر مذہب والوں سے مخصوص نہیں۔ مثال کے طور پر حضرت ابراہیمؑ کے انکی قوم سے تقیہ کرنے پر دلالت کرنے والی آیات، مومن آل فرعون کے تقیہ والی آیتیں، عمار یاسر اور دوسرے مسلمانوں کے مشرکین مکہ سے تقیہ کے بارے میں آیتیں اور وہ روایت جو مسیلمۂ کذاب کے چنگل میں گرفتار دو اشخاص کی مجبوری میں وارد ہوئی ہے جن میں سے ایک نے تقیہ سے کام لیا اور دوسرے نے اظہار حق کو ترجیح دی اور نبی اکرمؐ نے دونوں کے عمل کو سراہا اور دونوں کو تابع مصلحت قرار دیا۔

بلکہ قرآن مجید میں لفظ تقیہ یا تقاۃ صرف ایک جگہ استعمال ہوا ہے اور وہ بھی مشرکوں کے مقابلہ میں جس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حکم عام ہے۔ لہذا اس کے لئے ہمیں روایات کے اطلاق و عموم یا روایت مسعدۃ ابن صدقہ سے استدلال کرنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی اور بغیر کسی شک کے حکم تقیہ کا عموم ثابت ہو جاتا ہے اور یہ کہ اس دور میں اہل سنت کے مقابلہ میں کفار و مشرکین سے زیادہ تقیہ کرنا پڑتا ہے۔

اس بحث سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ تقیہ کے لئے ضروری نہیں کہ مورد تقیہ اہل سنت کے مذہب کا جز یا اس میں شامل ہو۔ مثال کے طور پر ترک حج تمتع ان کے تمام فرقوں کا مذہب نہیں ہے۔ اسی طرح نماز میں ہاتھ باندھنا بھی ان کے کچھ فرقوں کا طریقہ ہے جبکہ ان کے بعض علماء ہاتھ کھلے رکھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس کے باوجود تقیہ کی ضرورت پڑ سکتی ہے تاکہ عوامی الزامات سے بچا جا سکے۔ بلکہ کبھی کبھی تو ان کی بعض عادتوں کی وجہ سے کہ جن کو وہ مذہب میں داخل سمجھتے ہیں اور ان کی رعایت ترک واجب یا تبدیلی واجب یا فعل حرام کے بغیر ممکن نہیں ہوتی انسان تقیہ پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک

نہیں کہ مجبوری کے وقت تقیہ کرنا جائز ہے۔

دوسرا مسئلہ:

”تقیہ موضوعات میں“

موزوں پر مسح کرنے، نماز میں ہاتھ باندھنے، کھانے پینے یا پہننے والی اشیاء پر سجدہ وغیرہ جیسے بے شمار احکام میں بلا شبہ تقیہ جائز ہے۔ اور اس سلسلہ میں بحث ہو چکی ہے۔

اس مسئلہ میں موضوع بحث یہ ہے کہ آیا موضوعات میں بھی تقیہ ہو سکتا ہے۔ یا نہیں؟ مثال کے طور پر عید کے چاند یا حج کے لئے ذی الحجہ کے چاند کی رؤیت کے بارے میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ان کی حکومت چاند کا اعلان کر دیتی ہے جس کی بنا پر وہ لوگ افطار کر لیتے ہیں یا حج بجا لاتے ہیں۔ اگر شیعہ حضرات اس حکم میں ان کا ساتھ دیں تو ان کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے میں آیا ان کی متابعت درست ہے چاہے شیعوں کے نزدیک چاند ثابت نہ بھی ہو یا ان کو معلوم ہو کہ چاند نہیں ہوا ہے۔؟ اور آیا ادلۂ تقیہ اس مورد کو شامل ہیں یا نہیں۔؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ۔ شرعی احکام کے موضوعات دو طرح کے ہوتے ہیں۔

۱۔ کچھ موضوعات شرعی نوعیت کے ہیں جن کو بیان کرنا شارع کی ذمہ داری ہے مثال کے طور پر نماز کے اوقات وغیرہ۔

۲۔ بعض موضوعات محض خارجی ہوتے ہیں جن کو بیان کرنا شارع کی ذمہ داری نہیں ہے۔ جیسے رویت ہلال وغیرہ۔

پہلی قسم یعنی شرعی نوعیت کے موضوعات میں تقیہ کی دلیلیں بغیر کسی شک و شبہ کے جاری ہیں۔ اس لئے کہ اس کی بازگشت بھی اختلاف حکمی کی طرف ہے۔ جس میں بحث ہو چکی ہے
.... فی الحال ہماری بحث دوسری قسم میں ہے۔ جس کی چند صورتیں ہیں

ایک صورت یہ ہے کہ ہمیں ان کی خطاء کا علم ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ ہماری نظر میں ان کے حکم کی صحت مشکوک ہو۔ شک کے اسباب کئی طرح کے ہو سکتے ہیں۔ کبھی تو شک ان خارجی دلیلوں کی وجہ سے ہوتا ہے جن کو وہ اثبات موضوع کے لئے کام میں لاتے ہیں اور کبھی ان کے نزدیک معتبر اور ہمارے نزدیک غیر معتبر اور باطل شرعی طریقے اس بات کا باعث بنتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ گواہوں کے بارے میں تحقیق کئے بغیر ان پر اعتماد کر کے موضوع کو ثابت سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک تحقیق واجب نہیں ہے۔ جب کہ ہمارے نزدیک ہر شخص کی گواہی قابل قبول نہیں۔ اس لئے کہ اس کی بازگشت بھی اختلاف حکمی کی طرف ہے۔

بحث کے لئے جو چیز باقی رہ جاتی ہے وہ خالص خارجی موضوعات ہیں جن کا شارع سے کوئی تعلق نہیں۔ ان میں چاہے ہمیں ان کے غلطی پر ہونے کا علم ہو یا ہمیں شک ہو اور وہ موضوع ہمارے نزدیک ثابت نہ ہو۔ .... اس میں بھی بحث کے دو محور ہیں۔ ایک محور حکم تکلیفی اور دوسرا حکم وضعی ہے۔

جب تقیہ کی شرائط جمع ہوں تو حکم تکلیفی کے اعتبار سے اہل سنت جیسا عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ بعض ائمہ نے بھی ضرورت کے وقت اس قسم کے تقیہ پر

عمل کیا ہے۔ امام جعفر صادقؑ نے رمضان کے آخری دن میں منصور دوانیقی کے خوف سے افطار کیا جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہوا ہے اور ہم عنقریب اس کی طرف اشارہ کریں گے لہٰذا ضرورت کے وقت جواز تقیہ پر دلالت کرنے والی تمام دلیلیں اس مورد میں عمل کی اجازت پر دلالت کرتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ حکم تکلیفی کے اعتبار سے مسئلہ روشن ہے۔

بحث صرف حکم وضعی کے اعتبار سے ہے۔ یعنی ایسی حالت میں انجام دیا گیا عمل کیا مجزی اور صحیح ہے یا نہیں۔؟ اور آیا عمل تقیہ کی کفایت پر دلالت کرنے والی گذشتہ روایتیں اس مورد کو بھی شامل ہیں یا نہیں۔؟ مثال کے طور پر روایت ابو عمر الاعجمی میں ہے کہ نبید پینے اور موزوں پر مسح کے علاوہ ہر چیز میں تقیہ ہے۔

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ کی مطابقت میں عبادت صحیح ہے۔ چند موارد اس سے مستثنیٰ ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ چنانچہ روایت زرارہ میں بھی امامؑ کے قول سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔" تین چیزیں ایسی ہیں جن میں تقیہ نہیں کرتا۔ نشہ آور چیز کے استعمال، موزوں پر مسح اور حج تمتع میں۔" روایات ابواب وضو اور اقسام حج میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

البتہ امام کی وہ حدیث جو منصور دوانیقی سے متعلق ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا ہے۔ اگر میں ایک دن افطار کر کے اس کی قضا بجا لاؤں تو یہ مجھے اپنی گردن مارے جانے سے زیادہ پسند ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عمل کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس کی قضا واجب ہے۔ لیکن آخر بحث میں ہم اس کی وجہ بیان کریں گے۔ جس سے شک دور ہو جائے گا

بہر حال انصاف کی بات تو یہ ہے کہ روایات تقیہ کی عمومیت کے پیش نظر یا کم سے کم

موجودہ روایات میں موارد احکام کی خصوصیت کو نظر انداز کرتے ہوئے تنقیح مناط کے اعتبار سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان موضوعات میں بھی تقیہ پر عمل صحیح اور رافع تکلیف ہے۔ خاص طور سے حج اور چاند کی رویت کے مسئلہ پر تو ہر زمانہ میں تقیہ پر عمل ہوتا رہا ہے۔ ......

......چنانچہ صاحب جواہر کتاب حج میں فرماتے ہیں۔" یہاں ایک ایسا ضروری مسئلہ رہ جاتا ہے کہ جس کا ذکر تمام مسائل سے زیادہ بہتر ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر اہلسنت کے قاضی کے لئے دو گواہوں کے ذریعہ چاند ثابت ہو جائے جب کہ ہمارے نزدیک وہ (یوم الترویہ) ہو اور ان کے نزدیک (عرفہ) تو ایسی صورت میں کیا شیعہ حضرات ان کے ساتھ تقیتاً وقوف کر سکتے ہیں۔؟ یا ان کے لئے وقوف کافی نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس موضوع میں تقیہ ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ رمضان کے آخری دن اگر وہ عید منانے کا حکم دیں تو اس روزے کی قضا رکھنا واجب ہے۔ جس پر بعض روایتیں صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت یہ ہے کہ" ایک روزہ چھوڑ کر اس کی قضا رکھنا مجھے اپنے قتل کر دیئے جانے سے زیادہ پسند ہے۔" میں نے علماء میں سے کسی کے ہاں بھی اس طرح کا کلام نہیں دیکھا اور ایسے موارد میں بھی تقیہ پر عمل اور اس کا کافی ہونا بعید نہیں ہے۔ چونکہ اس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں حرج لازم آتا ہے اسی طرح کا احتمال قضا میں بھی ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ اس کی نسبت علامہ طباطبائی کی طرف دی گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ترک احتیاط سزاوار نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)

یہ تھا صاحب جواہر کا نظریہ اور اس میں شک نہیں کہ نتیجہ کے اعتبار سے موصوف کا کلام متین ہے۔ لیکن اس میں چند اعتراض جواب طلب ہیں۔

۱۔ اول یہ کہ رمضان کے آخری دن اہلسنت کے حکم کے مطابق عید منا کر اس روزے

کی قضا رکھنے والے مسئلہ کو وقوف اور دوسرے مناسک حج پر قیاس کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ چنانچہ ہم عنقریب اس کی وضاحت کریں گے

۲۔ دوسرے یہ کہ صرف حرج کا خطرہ کسی عمل کے صحیح اور کامل ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ حرج کی وجہ سے ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ عمل حرام نہیں ہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ صاحب جواہر کا یہ فرمانا کہ "قضا میں بھی یہ صورت پیش آسکتی ہے" بالکل قابل قبول نہیں ہے۔ اس لئے کہ آئندہ برسوں میں چاند کے ثبوت میں اختلاف کا احتمال حج کے وجوب سے کسی کی گلوخلاصی نہیں کرتا۔

بہرحال عبادات اور غیر عبادات میں عمل تقیہ کے کافی ہونے پر وارد ہونے والی دلیلوں کی عمومیت کے پیش نظر انصاف یہ ہے کہ وہ عمل کافی ہے۔ خاص طور سے حج کے مسئلہ میں ہر زمانہ میں نسلاً بعد نسل اس پر عمل ہوتا آیا ہے اور کسی نے بھی نہ تو اعادہ واجب کیا ہے اور نہ دوبارہ وقوف کرنے کو کہا ہے۔ بلکہ فقہی کتابوں میں علماء نے اس مسئلہ کو چھیڑا ہی نہیں جیسا کہ آپ صاحب جواہر کے کلام میں دیکھ چکے ہیں

بعض بزرگ علماء اور ان کے ہم عصر اتباع یا ہمارے زمانہ کے کچھ علماء نے رویت ہلال میں اختلاف والے برسوں میں جو احتیاط پر عمل کرنے کی بات کہی ہے یہ بالکل نئی بات ہے۔ جو اس سے پہلے نہیں سنی گئی۔ اور یہ "ایجاد بندہ اگرچہ گندہ" کے مترادف ہے۔

مسئلہ اکراہ اور تقیہ

علماء نے مسئلہ اکراہ کے ذیل میں کہا ہے کہ اگر کسی شخص کو روزہ افطار کرنے پر مجبور

کیا جائے تو اکثر علماء کے نزدیک اس کا روزہ درست ہے جبکہ شیخ طوسی قدس سرہ سے منقول ہے کہ وہ روزہ باطل ہے۔ اس قول کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اگر تقیہ کی بنا پر افطار کیا جائے تو اس کی قضا واجب ہے۔ اس لئے کہ تقیہ اکراہ کے مصادیق میں سے ہے۔

افطار صوم میں اکراہ کا ذکر کرتے ہوئے شیخ بزرگوار اس تصریح کے باوجود کہ "اس روزے کے صحیح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے خاص طور سے ایسے موقع پر کہ جب روزہ دار کے حلق میں زبردستی کوئی چیز ٹھونسی جائے۔" فرماتے ہیں کہ اس دلیل کی روشنی میں جو تقیہ کی بناء پر افطار کئے گئے روزے کی قضا واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اکراہ کی وجہ سے افطار کئے گئے روزے کی قضا بھی واجب قرار دی جائے اس لئے کہ تقیہ بھی تقریباً اکراہ ہی کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ مرسلہ رفاعہ میں امام جعفر صادق سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا، ایک روز میں حیرت کے عالم میں ابو العباس کے پاس پہونچا تو اس نے کہا اے ابو عبد اللہ! آج کے روزے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔؟ میں نے کہا کہ یہ بات امام کے طے کرنے کی ہے۔ چنانچہ اگر تم روزہ رکھو گے تو میں بھی روزہ رکھوں گا اور اگر تم افطار کرو گے تو میں بھی افطار کر دوں گا۔ اس نے غلام کو آواز دی اور کہا دسترخوان لگاؤ۔ امام فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے ساتھ کھانا کھایا۔ جب کہ بخدا میں جانتا تھا کہ وہ رمضان کا دن تھا۔ اس لئے کہ ایک دن افطار کرکے اس کی قضا بجا لانا میرے لئے اس چیز سے بہتر ہے کہ میں قتل کر دیا جاؤں اور پھر کبھی اللہ کی عبادت نہ کر سکوں۔ اس کے علاوہ ایک حدیث میں ہے کہ رمضان کے مہینہ میں ایک دن افطار کر لینا مجھے اپنی گردن اڑا دئیے جانے سے زیادہ پسند ہے.....

الجواہر، جلد ۱۶ ص ۲۵۸

اپنے کلام کے آخر میں شیخ بزرگوار نے مسئلۂ تقیہ اور اکراہ میں فرق اور ارسال کی وجہ سے خبر قضا کے ضعیف ہونے اور دلیل اکراہ کے ساتھ مخصوص ہونے کے امکان کو رد نہیں کیا ہے۔ .... اس کے بعد دوبارہ پھر ابدلا ہے اور فرمایا ہے۔ احتیاط یہی ہے کہ دونوں کو ایک ذمرے میں رکھا جائے۔ اس لئے کہ ادلۂ تقیہ کی عمومیت کے ایسے موارد کو شامل ہونے میں شک ہے جن کی بازگشت درحقیقت موضوع میں مصداق یا مفہوم کی طرف ہو نہ کہ حکم کی طرف۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں وارد ہونے والی روایات میں سے کوئی روایت بھی قضا کے واجب ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔ جیسا کہ جناب صدوقؒ نے عیسیٰ ابن منصور سے نقل کیا ہے۔ عیسیٰ کا بیان ہے کہ ایک روز میں حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں تھا اور وہ "یوم شک" تھا۔ آپ نے غلام سے فرمایا، جاؤ دیکھو آیا "سلطان" روزے سے ہے یا نہیں غلام نے آ کر خبر دی "بادشاہ" روزے سے نہیں ہے۔ تو حضرتؑ نے کھانا منگوایا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ کھانے میں شرکت کی۔ یہ روایت صرف افطار کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ وجوب قضا کے بارے میں بالکل خاموش ہے۔ باب ستاون کی دوسری، تیسری اور چھٹی روایت کی بھی یہی حالت ہے۔

وہ روایات جو یہ کہتی ہیں کہ روزہ فاسد ہے اگرچہ افطار جائز ہے۔ جس کا لازمہ وجوب قضا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا روایت ابی العباس جو کلام صاحب جواہر کے ذیل میں ذکر ہوئی ہے اور وہ اس باب کی چوتھی روایت ہے اور اسی طرح پانچویں روایت بھی جس کے ذیل میں امام نے یہ فرمایا تھا کہ ایک دن افطار کر کے اس کی قضا رکھ لینا میرے لئے قتل ہو جانے اور خدا کی عبادت سے محروم ہو جانے سے آسان ہے۔ ان دونوں روایتوں سے وجوب قضا سمجھ میں آتا ہے

لیکن دونوں روایتیں سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں۔

شیخ نے ابی جارود سے جو روایت نقل کی ہے۔ اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ روزہ صحیح ہے۔ روایت یوں ہے۔ "ابو جارود کا بیان ہے کہ میں نے ایک سال جب ہمیں قربانی کے بارے میں شک ہوا تو امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کی بعض لوگ قربانی کرتے ہیں آپ کا کیا حکم ہے۔؟ حضرت نے ارشاد فرمایا، افطار، قربانی اور روزہ سب لوگوں کے ہمراہ ہے۔" روزے کی صحت کا شبہ اس روایت سے اس دعویٰ پر مبنی ہے کہ جب لوگ افطار کرتے ہوں، وہ حقیقت میں افطار کا دن ہو اگر ایسا ہے تو ہرگز قضا واجب نہیں ہے۔ لیکن روایت کو اس معنی پر حمل کرنا بعید ہے۔ اس روایت میں مسئلہ کا صرف ظاہری حکم بیان ہوا ہے اور وہ یہ کہ تقیہ کی بنا پر افطار جائز ہے۔ لیکن "قضا واجب نہ ہونے کے بارے میں روایت خاموش ہے۔" لیکن اگر مان لیا جائے کہ روایت میں عدم وجوب میں قضا کے معنی پائے جاتے ہیں۔ جب بھی یہ روایت فساد پر دلالت کرنے والی گزشتہ اور آئندہ روایتوں کے مقابلے میں نہیں ٹک سکتی۔

اس مقام پر یہ تذکر ضروری ہے کہ تقیہ کی تمام دلیلیں جس طرح احکام کو شامل ہیں اسی طرح موضوعات کو بھی شامل ہے۔

لیکن روزے کے افطار کا مسئلہ ایک خصوصیت کا حامل ہے۔ اور وہ یہ کہ اعمال کے کافی اور مجزی ہونے کی بحث ان موارد میں ہے کہ جہاں عمل کا تعلق عبادت سے ہو اور تقیہ کی وجہ سے وہ عمل سنیوں کے مذہب کے مطابق بجا لایا جائے تو ایسے موقع پر کہا جا سکتا ہے کہ قضا ساقط ہے اور وہ عمل کافی ہے۔ لیکن اگر عمل کو سنیوں کے مذہب میں نہ ہونے کی بنا پر ترک کر دیا جائے تو اس عمل کی قضا ساقط ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

دوسرے لفظوں میں یہ عرض کرنا مناسب ہوگا کہ مجبوری کی وجہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ تقیہ میں انجام پانے والا عمل عمل واقعی کے لئے بدل اضطراری ہوتا ہے۔ جیسا کہ تیمم سے پڑھی جانے والی نماز وضو سے پڑھی جانے والی نماز کا بدل ہوتی ہے۔ اور اس بدلیت کی بنا پر اس عمل کو مجزی کہا جاتا ہے۔ اگر کسی عمل کو اس بنا پر ترک کیا جائے کہ وہ واجب نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ وہ عمل واجب کا بدل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس سے تکلیف ساقط ہوتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تقیہ کی بنا پر ادا ساقط ہو جاتی ہے تو قضا بھی ساقط ہونا چاہیئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر شرائط تقیہ موجود ہوں تو ترک قضا بلا مانع ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص مخالف مذہب کے ساتھ رہے اور اس کے عمل سے معلوم ہو جانے کا ڈر ہو کہ وہ قضا بجالا رہا ہے تو ایسے موقع پر قضا ساقط ہے۔ لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے بلکہ یہ ایسا فرض ہے جس کا مصداق ملنا ناممکن ہے۔ لہٰذا جب قضا میں تقیہ نہیں ہے تو قضا بجالانا واجب ہے۔

تیسرا مسئلہ:

آیا تقیہ کی مشروعیت کے لئے اس سے فرار کا راستہ نہ ہونا معتبر ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ میں چند قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ تقیہ ہر حال میں درست ہے چاہے اس سے راہ فرار ممکن ہو یا نہ ہو۔ شہید اول، شہید ثانی اور محقق ثانی نے اپنی کتابوں میں اسی

کو بیان کیا ہے۔

دوسرا قول صاحب مدارک کا ہے۔ جن کا نظریہ ہے کہ بہر صورت راہ فرار کا نہ ہونا معتبر ہے۔

تیسرا قول تفصیل پر مبنی ہے۔ فرماتے ہیں، "اگر متعلق تقیہ ایسا عمل ہو جس میں کسی خاص دلیل کی بنا پر تقیہ کی اجازت ہو تو اس میں اس شرط کا پایا جانا معتبر نہیں ہے۔ جیسا کہ نماز میں ہاتھ باندھنے کے بارے میں دلیل خاص کی بنا پر تقیہ صحیح ہے لیکن اگر تقیہ کی دلیل خاص نہ ہو بلکہ وہ عمومات ہوں جو ہر ضرورت اور مجبوری میں تقیہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ جیسے نبیذ سے وضو کرنا یا قبلے کے علاوہ رخ کر کے نماز پڑھنا۔ تو اس صورت میں عمل اسی وقت صحیح ہوگا جب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر راہ فرار ممکن ہو تو اسے اضطرار و مجبوری نہیں کہہ سکتے۔ یہاں تفصیل کو بھی محقق ثانی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔"

چوتھا قول وہ تفصیل ہے جس کو شیخ بزرگوار علامہ انصاری نے اختیار کیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ مکلف تکلیف واقعی کے بجالانے پر زمانہ اور جگہ کی تبدیلی کے بغیر قادر ہو۔ مثال کے طور پر ظاہر میں اس کا عمل جس سے تقیہ کر رہا ہے اسی جیسا ہو جب کہ حقیقت میں وہ اپنا صحیح عمل انجام دے رہا ہو۔ مثلاً ان کے امام کے پیچھے نہایت دھیرے قرأت کرے اور ان کو یہ دکھائے کہ خاموش ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں تقیہ درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس میں جگہ اور وقت کی تبدیلی کے بغیر راہ فرار ممکن نہیں ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وقت کے ایک حصہ میں تقیہ کی ضرورت درپیش ہو۔

مثلاً اگر اول وقت نماز پڑھنا چاہے تو بغیر تقیہ کئے نہ پڑھ سکے۔ جب کہ بعد میں پڑھ سکتا ہو۔ اس صورت میں تقیہ صحیح ہے۔ اس لئے کہ پورے وقت میں راہ فرار کا نہ ہونا شرط نہیں ہے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کسی خاص جگہ تقیہ ضروری ہو۔ تمام جگہوں پر اسکی ضرورت نہ ہو۔ مثلاً مسجد الحرام یا مسجد النبیؐ میں عمل بجالانا چاہے تو بغیر تقیہ کے ممکن نہ ہو جبکہ دوسرے مقامات پر تقیہ کے بغیر صحیح عمل بجالا سکتا ہو۔ اس صورت میں بھی عمل مجزی ہے اور تقیہ درست ہے۔ اس لئے کہ ہر جگہ راہ فرار کا نہ ہونا شرط نہیں ہے۔ بلکہ مقام عمل میں راہ فرار کا نہ ہونا شرط ہے۔

لیکن ہمارا نظریہ یہ ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ تمام اقوال تقیہ خوفی سے مربوط ہیں۔ اور مداراتی تقیہ سے انکا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ مداراتی تقیہ میں وقت یا جگہ تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اسی جگہ اور اسی وقت عمل بجالائے تاکہ ان روایتوں پر عمل ہو سکے جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس قسم کا تقیہ دلوں کو نزدیک کرنے اور مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے شروع کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس میں راہ فرار کا نہ ہونا معتبر نہیں ہے۔ (یعنی اگر راہ فرار ممکن بھی ہو جب بھی تقیہ کر سکتے ہیں۔) کیا امام کے ان اقوال کو "کہ تم ان کے مریضوں کی عیادت کرو ان کے جنازوں میں شرکت کرو" یا اس قسم کے دوسرے اقوال کو اضطرار پر محمول کر کے کہا جا سکتا ہے کہ امام کی مراد یہ ہے کہ اگر راہ فرار ممکن نہ ہو تو تقیہ کرتے ہوئے ان کے ساتھ ان امور میں شرکت کر سکتے ہو۔؟ ہرگز نہیں۔

اس میں کسی بحث کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

البتہ اگر ہم یہ کہیں کہ اس قسم کے تقیہ میں انجام دیا گیا عمل کافی ہے تو شیخ انصاری کی بیان کردہ تین صورتوں میں سے پہلی صورت کو جس میں انھوں نے فرمایا ہے کہ اگر بغیر کسی تبدیلی کے اس جگہ صحیح عمل بجالانے پر قادر ہو تو اس میں تقیہ درست نہیں ہے۔ مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ روایات اس صورت کو شامل نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ تقیہ خوفی میں بلا شبہ پورے وقت میں تقیہ سے بچنے کا امکان نہ ہونے کی شرط معتبر نہیں ہے۔ اس کی دلیل اجماع اور عمومات تقیہ میں نہیں۔ اس لئے کہ اجماع اس مسئلہ میں معتبر نہیں اور عمومات تقیہ مطلق اضطرار کو شامل ہیں۔ جو پورے وقت میں ہوتا ہے۔ بلکہ اس کی دلیل وہ خاص روایتیں ہیں جو تقیہ کی حالت میں ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیتی ہیں۔ اور ان کو "پورے وقت میں مضطر ہونے" پر حمل کرنا فرد نادر پر عمل کرنے کے مترادف ہے۔

اسی طرح اگر انسان دوسری جگہ صحیح عمل بجالانے پر قادر ہو تب بھی مسجد نبیؐ میں نماز ترک کرتے ہوئے تقیہ سے بچنا اور اپنے قافلہ میں جا کر نماز پڑھنا واجب نہیں ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بہتیری روایتوں میں سے بطور نمونہ ذیل میں چند روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔

۱۔ احمد بن ابی نصر بزنطی امام رضا علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام کی خدمت میں عرض کی میں نماز مغرب میں اہل تسنن کے ساتھ شریک ہوتا ہوں۔ وہ لوگ اس قدر جلدی نماز پڑھتے ہیں کہ میں اذان و اقامت کہنے کے بغیر صرف "سورہ حمد" ان کے ساتھ پڑھ پاتا ہوں۔ کیا میری نماز درست ہے۔؟ مولاؑ نے فرمایا کہ تمہارے لئے صرف "سورہ حمد" پڑھ لینا کافی ہے

۱۔ ج ۶، باب ۳۳، ابواب صلاۃ الجماعۃ۔

صاف ظاہر ہے کہ یہاں تک سورہ مجبوری کی حالت میں نہیں ہے۔

۲۔ بکر ابن اعین کا کہنا ہے کہ میں نے حضرت ابو عبداللہؑ سے سوال کیا کہ ناصبی کی اقتدا میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے۔؟ فرمایا جب وہ بلند آواز سے پڑھے تو تم خاموشی سے سنتے رہو اور اس کے بعد اپنے رکوع اور سجدے بجالاؤ۔[1]

۳۔ زرارہ سے مروی ہے کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ ناصبی کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کی قرأت کو اگر تم سن رہے ہو تو تمہیں خود سے پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ وہی کافی ہے۔[2]

دوسری اور تیسری روایت کو تقیہ پر محمول کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس طرح اکثر موارد میں انسان تقیہ سے بچ سکتا ہے۔ مثلاً یا تو گھر میں نماز پڑھ لے یا اس نماز سے پہلے یا بعد اپنی نماز ادا کرے۔

۴۔ ابی بصیر لیث مرادی کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقرؑ سے عرض کی کہ جس کی ہم اقتدا نہیں کرتے اس کے ساتھ نماز کیسے پڑھی جائے۔؟ حضرت نے فرمایا تم ہر عمل ان سے پہلے بجالاؤ۔ اس لئے کہ تم حصار میں ہو۔ لیکن اگر وہ تم سے پہلے فارغ ہو جائیں تو تم قرأت چھوڑ کر ان کے ساتھ رکوع میں چلے جاؤ۔[3]

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر حالت میں "ان کے ساتھ پڑھی گئی

۱۔ ج ۳۔ باب ۳۴۔ ابواب صلاۃ الجماعۃ۔

۲۔ " ۵۔ " " " " " " "

۳۔ " ۱۰۔ " " " " " " " "

نماز کافی ہے چاہے انسان اسی جگہ اپنی نماز پڑھنے پر قادر ہی کیوں نہ ہو۔

۵۔ حمران حضرت ابو عبداللہؑ سے کتاب علی علیہ السلام کا حوالہ دیتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ کتاب مذکور میں ہے کہ جب وہ وقت کے اندر جمعہ قائم کریں تو تم ان کے ساتھ جمعہ میں شرکت کرو اور اس وقت تک اپنی جگہ سے حرکت نہ کرو جب تک دو رکعتیں اس کے علاوہ نہ پڑھ لو۔ میں نے عرض کی "اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے چار رکعت نماز پڑھی! فرمایا "ہاں"۔[1]

یہ روایت بھی بطور مطلق نماز کے کافی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

۶۔ حمران ابن اعین سے مروی ہے کہ میں نے امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کی۔ میں آپ پر قربان! یہ لوگ جب جمعہ کی نماز وقت کے اندر ادا کریں تو میں ان کے ساتھ نماز پڑھ لوں۔؟ فرمایا "ہاں"۔ یہ خبر لے کر حمران زرارہ کے پاس پہنچے اور خبر دی کہ ہمیں ان کے ساتھ نماز پڑھ لینے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ زرارہ نے کہا بغیر تاویل کے ایسا ممکن نہیں۔ حمران نے کہا۔ چلو خود امامؑ سے سن لو......... چنانچہ حمران کا بیان ہے کہ ہم حضرت کی خدمت میں پہنچے اور زرارہ نے عرض کی "حمران نے مجھ سے یوں بیان کیا ہے کہ آپ نے ہمیں ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے تو مجھے یہ بات ناگوار معلوم ہوئی۔ تو امامؑ نے فرمایا حسین ابن علیؑ ان کے ساتھ دو رکعت پڑھتے تھے اور ان لوگوں کے فارغ ہو جانے کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ پڑھا کرتے تھے تو تمہیں کیا اعتراض ہے۔

آغاز روایت میں ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم مطلق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو اپنی دو رکعتیں پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے یا پھر اسی جگہ الگ سے دو رکعتیں اضافہ کرنا

۱۔ ج ۱۲۔ باب ۲۹۔ ابواب الجمعۃ۔

ضروری ہیں کہ جہاں ممکن ہو۔ اور تقیہ ایسی حالت میں ہو کہ جہاں انسان اسی وقت میں قتل ہونے کا [illegible] بغیر تقیہ سے بچ سکتا ہو۔ پھر بھی پہلی دو رکعتوں میں قرائت کے اعتبار سے بدستور تقیہ قائم [illegible] گا۔

تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ تقیہ سے بچنے کا راستہ نکالنا زمان اور مکان کے اعتبار سے ضروری نہیں ہے۔ چاہے تقیہ موارد روایات میں ہو یا تمام دوسرے موارد میں۔ اگرچہ اطلاقات تقیہ کہ جو عقلاً ضرورت تقیہ سے مقید ہیں اس چیز پر دلالت نہیں رکھتے۔

چوتھا مسئلہ

محورِ تقیہ — خوف شخصی ہے یا خوف نوعی —

تقیہ میں خوف معتبر ہے۔ چاہے خوف کا گمان ہو یا شک۔ بلکہ اگر احتمال ضعیف بھی ہو لیکن عقلاء کے نزدیک معتبر ہو۔ عرف عام میں تینوں صورتوں میں عنوان خوف صادق آتا ہے اگرچہ احتمال خوف قوی یا ضعیف ہونا اس کے حکم کے متفاوت ہونے پر اثرانداز ہوتا ہے۔ حق و انصاف یہ ہے کہ خوف کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

پہلی صورت:

کبھی تقیہ کرنے والے کو اپنی جان، مال، آبرو یا کسی ایسی چیز یا شخص کا خوف ہوتا ہے جو اس سے وابستہ ہو۔ یا کسی ایسے شخص کے بارے میں خوف ہو سکتا ہے جو اس سے متعلق نہ ہو۔

دوسری صورت:

اور کبھی اہل حق میں سے کسی ایسے شخص یا جماعت کے متضرر ہونے کا خوف ہو سکتا ہے کہ جو دشمنوں کے حصار میں ہو اور تقیہ ترک کرنے کی صورت میں ان پر سختی کئے جانے کا اندیشہ ہو۔

پہلی صورت کا حکم

پہلی صورت میں یعنی خوف شخصی کے موضوع میں بلاشبہ احکام تقیہ جاری ہوں گے۔ بلکہ یہ صورت تقیہ کے کھلے مصادیق میں سے ہے جس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن میں تقیہ کو سپر وغیرہ کہا گیا ہے۔ ان کے علاوہ درج ذیل بعض روایات میں کھلا حکم بیان ہوا ہے۔

۱۔ حدیث شرائع دین میں اعمش نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت بیان کی ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا: تقیہ کے زمانہ میں کسی کافر یا ناصبی کا قتل جائز نہیں ہے۔ مگر یہ کہ وہ قاتل ہو یا مفسد فی الارض ہو۔ .... البتہ ایسے آدمی کو بھی اس وقت تک قتل نہ کیا جائے جب تک تمہیں اپنی یا اپنے دوستوں کی جان کا خطرہ نہ ہو۔ یاد رکھو! کہ دار التقیہ میں تقیہ کا استعمال واجب ہے۔ ۱۔ ج ۲۱۔ باب ۲۴۔ ابواب امر بالمعروف۔

روایت سے ظاہر ہے کہ محور تقیہ کے سلسلہ میں تعدد متیقن خوف شخصی ہے۔

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص تقیہ اختیار کرکے ہمیں کمینہ لوگوں سے محفوظ نہ رکھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ ج ۲۷۔ باب ۲۴۔ ابواب امر بالمعروف۔

۳۔ تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام میں امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے

کہ تقیہ مومن کے ان بہترین اعمال میں سے ہے جن کے ذریعہ وہ ظالموں سے اپنے نفس کو اور اپنے بھائیوں کو محفوظ رکھتا ہے۔ .... اپنے بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی متقین کے شریف ترین اعمال میں سے ہے۔[1]

ابواب امر بالمعروف کے اٹھائیسویں باب میں اور بھی بہت سی روایات ہیں جو اس موضوع پر دلالت کرتی ہیں جن میں تقیہ کو بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی کے شمل قرار دیا گیا ہے۔ اور گمان غالب یہ ہے کہ تقیہ بھائیوں کے حقوق میں سے ایک حق ہو جس کی بنا پر اسے ان کے ساتھ ذکر کیا گیا ہو اس لئے کہ تقیہ کے ذریعہ بھائیوں کے حقوق کی حفاظت واجب ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ جسطرح اپنی جان اور اپنے حق کی حفاظت کے لئے تقیہ واجب ہے اسی طرح اپنے بھائی کے حق و جان کی حفاظت بھی اس کے ذریعہ واجب ہے۔

اسی طرح وہ روایات بھی دلالت کرتی ہیں جن کے مطابق ترک تقیہ اپنے کو ہلاکت میں مبتلا کرنے کے مترادف ہے۔ اس طرح کی روایات بہت سی ہیں۔ معلوم ہوا کہ جس طرح اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنا حرام ہے اسی طرح ترک تقیہ کے ذریعہ اپنے بھائیوں کو بھی ہلاکت میں مبتلا کرنا حرام ہے۔

دوسری صورت کا حکم

تقیہ کرنے والے کو خود کوئی خطرہ نہ ہو مگر کسی دوسری جگہ کے عام شیعہ افراد کو اس کی وجہ سے نقصان پہنچنے کا سخت اندیشہ ہو۔ مثال کے طور پر کسی مومن کے ہاں کسی

۱۔ ج ۳۔ باب ۲۸۔ ابواب امر بالمعروف۔

شہر سے کچھ غیر مذہب والے مہمان کے طور پر آئیں جبکہ اس شہر میں اس مومن کے رشتہ دار بھی رہتے ہوں۔ اگر وہ مومن ان غیروں سے تقیہ نہ کرے تو اس کے رشتہ داروں اور وہاں کے شیعوں کو نقصان پہنچنے کا خطرہ لاحق ہو جائے (احتمالی طور پر) متضرر ہونے والا ایک شخص ہو یا ایک جماعت ہو اس صورت میں بھی تین دلیلوں سے تقیہ جائز ہے۔

پہلی دلیل: ملاک تقیہ اور قاعدۂ اہم و مہم کی رعایت ہے۔

دوسری دلیل: چوں کہ ضرورت تقیہ کی متقاضی ہے لہذا تقیہ پر دلالت کرنے والی عام دلیلیں اس مورد کو بھی شامل ہیں۔

تیسری دلیل: تقیہ کی اکثر روایات (جن کو ذیل میں ہم بیان کر رہے ہیں) اس مورد بلکہ اس سے وسیع تر موارد پر بھی دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام میں حسن ابن علیؑ سے منقول ہے تقیہ ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ پروردگار کسی قوم کی مشکلیں آسان کرتا ہے۔ تقیہ کرنے والے کو اس قوم کے اعمال کے برابر ثواب ملتا ہے۔ چنانچہ تقیہ کو ترک کر دینا اس قوم کو ہلاکت میں مبتلا کرنا ہے لہذا جو شخص ایسے موقع پر تقیہ کو ترک کرے اس کا شمار اس قوم کو ہلاک کرنے والوں میں ہوگا۔

۲۔ شیخ طوسیؒ کی مجالس میں ان کی اسناد کے ذریعہ دسویں امامؑ سے مروی ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا "وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو کوئی خطرہ نہ ہونے کی صورت میں تقیہ کو اپنا شعار بنا کر اس شخص کو تحفظ نہ دے جو خطرہ میں ہو۔

اس روایت کا دائرہ عمل وسیع تر ہے۔ اس لئے کہ اس کی روشنی میں بطور حفظ ماتقدم بھی تقیہ جائز ہے۔ چاہے اس مورد میں کوئی خطرہ درپیش نہ ہو۔ چوں اگر بطور حفظ ماتقدم انسان تقیہ کی عادت نہ ڈالے تو ممکن ہے کہ موارد وجوب میں وہ تقیہ کی مخالفت کا مرتکب ہو جائے

پانچواں مسئلہ:

موارد وجوب میں تقیہ کی مخالفت۔

موارد وجوب میں تقیہ کی مخالفت بلاشبہ گناہ ہے۔ لیکن آیا جو عمل انجام دیا گیا ہے وہ صحیح متصور ہوگا یا نہیں۔؟ بطور مثال تقیہ کا تقاضا یہ ہے کہ نماز جماعت سے پڑھی جائے۔ مگر امام جماعت کی بے عدالتی و عدم صلاحیت کے پیش نظر کوئی فرادی نماز پڑھتے ہوئے تقیہ کی مخالفت کرے کیا اس کی نماز صحیح ہوگی یا باطل۔؟ یا بعض مواقع پر درست ہوگی اور بعض مواقع پر باطل ہوگی۔؟

حضرت علامہ مرحوم شیخ انصاریؒ تفصیل کے قائل ہیں۔ مرحوم کا بیان ہے کہ اگر عمل جس میں تقیہ کی مخالفت ہو رہی ہو ایسا امر ہو جو عبادت کے ساتھ متحد ہو جیسے خاک شفا پر تقیہ کی مخالفت کرتے ہوئے سجدہ کرنا تو عمل باطل ہے۔

لیکن اگر عمل عبادت کے ساتھ متحد نہ ہو بلکہ عبادت کے علاوہ ہو "جیسے جہاں تقیہ کی بنا پر ہاتھ باندھنا واجب ہو وہاں ہاتھ کھول کر نماز پڑھے" تو عمل باطل نہیں ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی صورت میں شریعت نے خاک شفا پر سجدہ کرنے سے روک دیا ہے جو عبادت یعنی سجدہ سے متحد ہے اور شریعت کی مخالفت حرام ہے۔ فعل حرام کے ذریعہ قرب الٰہی حاصل نہیں ہو سکتا لہذا عمل باطل ہے۔

اس کے برخلاف دوسری صورت میں فعل حرام "ہاتھ باندھنا" ہے جو ایک امر خارجی ہے لہذا عبادت صحیح ہے۔ یہ شیخ صاحب کا نظریہ...... حالاں کہ مسئلہ کا تعلق اس چیز

سے ہے کہ اوامر تقیہ کی حقیقت کیا ہے۔؟

بعض کہتے ہیں کہ اوامر تقیہ بدل اضطراری ہیں اور ان کا مامور بہ عمل واقعی کا بدل ہوتا ہے جبکہ کچھ حضرات کا نظریہ یہ ہے کہ یہ ابدال اضطراریہ نہیں۔ اپنے مامور بہ کو فی نفسہ واجب قرار دیتے ہیں۔

اگر ان کو اوامر اضطراریہ کی مانند تسلیم کر لیا جائے تو تقیہ کی مخالفت سے عمل باطل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ مامور بہ کو انجام نہیں دیا گیا ہے...... لیکن اگر یہ کہا جائے کہ ان کا مامور بہ فی نفسہ واجب ہوتا ہے تو عمل فاسد نہیں ہوگا۔ البتہ مسئلہ اجتماع امر و نہی میں اگر عبادت حرام کے ساتھ متحد ہو جائے اور ہم اس کے بطلان کے قائل ہو جائیں تو عمل فاسد ہوگا۔

چھٹا مسئلہ:

تقیہ کے بعد

کچھ اعمال ایسے ہوتے ہیں جن کا اثر تقیہ کے بعد تک باقی رہتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص تقیہ کی حالت میں وضو کرے اور ایک وقت کی نماز پڑھنے کے بعد تقیہ کا جواز ختم ہو جائے لیکن اس کا وضو ابھی باقی ہو تو آیا اسباب تقیہ کے ختم ہوتے ہی وضو بھی بے کار ہو جائے گا یا جب تک نئے سرے سے وضو کی حاجت نہ ہو نماز پڑھنا درست ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی عقد یا ایقاع کا معاملہ تقیہ کی حالت میں انجام پائے تو آیا تقیہ کے بعد اس کا اثر باقی رہے گا یا نہیں؟

قاعدہ اولیہ کا تقاضا یہ ہے کہ تقیہ کے بعد تمام موارد میں اس عمل کا اثر باقی نہیں رہے

گا مگر کسی خاص مورد میں کوئی دلیل موجود ہو۔ اگر دلیل نہ ہو تو تقیہ کے بعد عمل فاسد ہوجائیگا اگر کوئی اس کی صحت کا دعویٰ کرے تو دیکھنا یہ ہے کہ اس کے پاس دلیل بھی ہے یا نہیں۔؟

بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ دلیل موجود ہے جو کبھی اوامر خاص ہیں اور کبھی اوامر عام۔

اوامر خاص وہ ہیں جو موارد تقیہ میں وارد ہوتے ہیں۔ جیسے وضو کا حکم جس سے استفادہ ہوتا ہے کہ تقیہ کے بعد بھی وہ وضو کارگر ثابت ہو سکتا ہے اور دوسرا وضو انجام دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ رفع حدث امتثال امر کے آثار میں سے ہے اور اس مورد میں وضو کے ذریعہ حدث مرتفع ہو چکا ہے لہذا ہر وہ مورد کہ جس میں مثلاً وضو کا حکم موجود ہو اس میں وضو انجام دینے سے حدث رفع ہو جاتا ہے۔ کیا آپ کی نظر میں ایسا کوئی مورد ہے کہ جس میں وضو کا امر موجود ہو اور اس کے انجام دینے سے حدث رفع نہ ہوتا ہو؟ دائم الحدث کے متعلق جو کہا جاتا ہے کہ وضو اس کے لئے صرف مبیح صلاۃ ہے وہ دائم الحدث ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ وضو رافع نہیں ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جس مورد میں بھی بعض اسباب شرعیہ کے بارے میں تقیہ کے وقت خاص امر وارد ہوا ہو چاہے وہ امر وضو اور غسل کے مانند عبادات میں سے ہو یا نکاح اور طلاق کی طرح عقود و ایقاعات میں سے ہو۔ وہ امر مؤثر واقعی کے موجود ہونے کی دلیل ہے لہذا اس کے تمام اثرات مرتب ہوں گے۔ چاہے اسباب تقیہ موجود ہوں یا زائل ہو گئے ہوں۔

رہ گئیں وہ عام روایات جن کے مطابق ہر ضرورت کے وقت تقیہ جائز ہے۔

اور نبید کے استعمال اور موزوں پر مسح کرنے کے علاوہ ہر چیز میں تقیہ ہے۔ ان کے بارے میں گزشتہ بحثوں میں عرض ہو چکا ہے کہ یہ ہر حال میں تقیہ کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ہر چیز کا جواز اس کے حسب حال ہوتا ہے۔ وضو کا جواز رفع حدث میں ہے۔ بیع و شراء کا جواز اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے جس کا نتیجہ حصول ملکیت ہے اور طلاق کا جواز مرد و عورت میں جدائی کی علامت ہے۔

لیکن ان باتوں کے باوجود دونوں موارد میں اشکال ممکن ہے۔ عام روایتوں کی دلالت میں یہ اشکال ہے کہ ان سے جواز تکلیفی اور نفی حرمت مستفاد ہوتے ہیں۔ ......

.... جواز وضعی ان سے سمجھ میں نہیں آتا۔ لہذا ان کے ذریعہ آثار وضعیہ (جیسے عقود و ایقاعات) کی صحت پر استدلال بہت مشکل ہے۔

اوامر خاصہ میں مشکل یہ ہے کہ وہ ہماری بحث کے موضوع کو شامل نہیں ہیں۔ ان کی حیثیت اوامر اضطراریہ جیسی ہے۔ پانی اگر میسر ہو جائے تو وضو ختم ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح تقیہ کے بعد یہ اوامر بھی کالعدم ہو جاتے ہیں۔

علاوہ بریں اہل نظر جانتے ہیں کہ تقیہ امر شرعی ہونے سے پہلے امر عقلی ہے اور عقلا اسی وقت تک اس امر پر عمل کرتے ہیں جب تک تقیہ باقی رہو۔ جہاں تقیہ کے اسباب زائل ہونے وہیں عقلاء کے نزدیک یہ اوامر ختم ہو جاتے ہیں اور وہ تقیہ سے پہلے والے اوامر اختیاریہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ زوال تقیہ کے بعد ظرف تقیہ میں انجام دیئے گئے وضو یا غسل جیسے دیرپا اثر رکھنے والے عمل کا اثر باقی رہنا بہت مشکل ہے۔

ساتواں مسئلہ:

آیا تقیہ واجب نفسی ہے

یا واجب غیری ــــ؟

موارد وجوب میں آیا تقیہ بنفس نفیس واجب ہے یا بطور مقدمہ حفظ نفوس وصیانت دین کے لئے واجب ہے؟

اولاً تقیہ پر سرسری نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ تقیہ مقدمہ کے طور پر بلاوجہ پیش آنے والے دینی یا دنیاوی ضرر کو ٹالنے کے لئے واجب ہے۔ دلیل عقلی بھی اس سے زیادہ پر دلالت نہیں کرتی۔ اسی طرح وہ دلیل جس کے بموجب ترک تقیہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے اس کا مفاد بھی یہی ہے کہ جان کو بچانے کے لئے تقیہ واجب ہے۔

لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ تقیہ اپنے اثر کے اعتبار سے واجب نفسی ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ جو دلیلیں خوف کے وقت تقیے پر دلالت کرتی ہیں ان کے عمومیت سے وجوب نفسی کا اظہار ہوتا ہے چاہے ترک تقیہ سے نقصان ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو حفظ نفوس جس کو تقیہ کی علت قرار دیا جاتا ہے وہ اس کے لئے علت نہیں ہے بلکہ اس کا فلسفہ ہے۔ اسی لئے تارک تقیہ کو عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ جیسا کہ تفسیر امام حسن عسکریؑ کی ایک حدیث میں وارد ہوا ہے (ہماری ولایت یا ہم سے دوستی کے بعد تم پر سب سے بڑی ذمہ داری اپنے نفوس اور اموال اور معارف کی حفاظت کے لئے تقیہ استعمال کرنا اور اپنے ہم نوعوں کے حقوق ادا کرنا ہے اس کے علاوہ بے شک خدا ہر گناہ کو بخش دے گا اور

ان کا حساب نہیں لے گا۔ رہ گئے یہ دو فریضے تو ان سے سخت عذاب برداشت کرنے کے بعد ہی نجات مل پائے گی۔)

اسی طرح وہ روایتیں جو ترک تقیہ کو اپنے بھائیوں کے حقوق پائمال کرنے کے مترادف قرار دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر تفسیر مذکور میں علی بن حسینؑ کا قول ہے۔ (خدا مومن کے تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ دنیا و آخرت میں اسے پاک و پاکیزہ قرار دے گا صرف دو گناہوں کے علاوہ۔ وہ دو گناہ ترک تقیہ اور اپنے بھائیوں کے حقوق ضائع کرنا ہیں)

اس کے علاوہ ابن ادریس کی سرائر کے آخر میں ایک روایت ہے جس کو علی ابن محمد (دسویں امام) سے نقل کیا ہے۔ حضرت علیہ السلام نے داود صرمی سے فرمایا (اگر میں یہ کہوں کہ تارک تقیہ تارک صلاۃ کے مانند ہے تو میں اپنی گفتار میں سچا ہوں)

اور بھی بہت سی روایات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ واجب نفسی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ترک تقیہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور یہ فعل تقیہ کی ضد ہے تقیہ کے لئے مقدمہ نہیں ہے۔ سبھی جانتے ہیں اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنا بنفسہ حرام ہے۔ پس ترک تقیہ بھی بنفسہ حرام ہے جو موجب عقاب اور باعث فسق ہے۔ معلوم ہوا کہ تقیہ کا وجوب نفسی ہے۔

آٹھواں مسئلہ:

تقیہ کی تیسری قسم۔

گزشتہ بحثوں میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ تقیہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ تقیہ خوفی۔ ۲۔ تقیہ تحبیبی۔

پہلی قسم کو جان ومال، عزت وآبرو اور دین کے تحفظ کے لئے کام میں لایا جاتا ہے جب کہ دوسری قسم میں تقیہ سے غرض مسلمانوں کی صفوں میں وحدت پیدا کرنا، ان کے درمیان محبت اور مودت ایجاد کرنا اور ان کے اختلافات کو ختم کرنا ہے تاکہ وہ اسلام کے دشمنوں کا مل کر مقابلہ کر سکیں۔

کہا جاتا ہے کہ تقیہ کی ایک تیسری قسم بھی ہے جس کو کسی راز کی حفاظت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ حکم سیاسی نوعیت کا ہے نہ ایجاد محبت و مودت کے لئے ہے اور نہ ہی کسی خوف کی بنا پر بلکہ خالص سیاسی نقطہ نظر سے اسے حفظ مذہب کے لئے مشروعیت دی گئی ہے۔

وسائل میں اس کے لئے ایک باب مخصوص کیا گیا ہے جس پر دلالت کرنے والی چند احادیث درج ذیل ہیں۔

۱۔ محمد خزاز ابو عبداللہ علیہ السلام سے ناقل ہیں۔ ''حضرت علیہ السلام نے فرمایا'' جو ہماری مرضی کے برخلاف ہمارے راز کو آشکار کرے وہ گویا ہمارے حق کا منکر ہے۔[1]

۲۔ ابن ابی یعفور کا بیان ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا ''جو ہمارا راز فاش کرے خدا اس کے ایمان کو سلب کر لیتا ہے۔''

اس موضوع میں اس کے علاوہ بھی بہت سی روایات ہیں جن کی روشنی میں عقیدہ حق کو

۱۔ ج ۱۱۔ باب ۳۴۔ ابواب امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔

۲۔ ح ۱۲۔ ، ، ، ، ، ،

۳۔ ح ۳۰۔ ، ، ، ، ، ، ، ،

چھپانا واجب ہے بلکہ بعض ایسے موارد میں اس کے برخلاف اظہار لازم ہے کہ جن کو نااہلوں کے سامنے آشکار کرنے میں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ یہ ایک طرح کا تقیہ ہے جس پر تقیہ کی تعریف صادق آتی ہے۔ مگر پہلی دو قسموں میں داخل نہیں ہے۔

لیکن انصاف تو یہ ہے کہ اس قول کی ہمراہی ناممکن ہے۔ در اصل تقیہ کی اس قسم کا تعلق بھی پہلی قسم سے ہے۔ جس کو تقیہ خوفی کہتے ہیں۔ سر اور راز کا اطلاق ایسے ہی مواقع پر ہوتا ہے۔ جن میں حق وحقیقت پر مبنی دینی عقائد کے کھل کر اظہار کرنے میں جانی، مالی، عرضی اور دینی اعتبار سے متضرر ہونے کا خوف ہو۔ اور اگر کسی مورد کے اظہار میں کوئی خوف نہ ہو تو اسے راز نہیں کہا جاتا۔ لہذا وہ ''کتمان سر'' کے عنوان کے تحت نہیں آئے گا۔......

چنانچہ اسی باب کی ایک سے زیادہ روایتیں ہماری بات کی تائید میں موجود ہیں۔

۱۔ یونس ابن یعقوب اپنے واسطے سے ابو عبداللہؑ سے ناقل ہیں حضرتؑ نے فرمایا۔ ''ہمارا راز فاش کرنے والا ہمیں بر بنائے خطا قتل نہیں کرتا بلکہ عمداً قتل کرتا ہے۔''[3]

یہ روایت صاف کہہ رہی ہے کہ راز فاش کرنا صرف عظیم نقصان بلکہ قتل کا موجب بن سکتا ہے۔ اگر فاش کرنے والا اس چیز سے آگاہ ہو تو وہ قاتل کہلائے گا۔........... آیا یہ تقیہ خوفی کے ترک کے مصادیق میں سے نہیں ہے۔؟ جب کہ آپ کو معلوم ہے کہ خوف کا تعلق اپنے ہی نفس سے نہیں بلکہ غیر سے بھی ہے۔

۲۔ دوسری روایت محمد ابن مسلم سے ہے۔ کہتے ہیں میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا۔ ''قیامت کے دن ایک شخص کو اٹھایا جائے گا اور ایک ......کی مقدار یا اس سے زیادہ خون اس کو دینے کے بعد کہا جائے گا کہ یہ فلاں شخص کا خون ہے جس کے قتل میں تو بھی شریک تھا۔''

عرض کرے گا۔ پروردگارا! تو خوب جانتا ہے کہ جب تو نے مجھے دنیا سے

اٹھایا تھا اس وقت تک میں نے کسی کا خون نہیں بہایا۔" ندا آئے گی۔" ہاں لیکن تجھے یاد ہے کہ اس شخص نے تجھ سے پنا راز بیان کیا تو نے اس راز کی حفاظت نہیں کی اور اسے فاش کر دیا۔ فلاں ظالم شخص کو اس کی خبر ہو گئی اور اس ظالم نے اس شخص کو قتل کر دیا اس طرح تو اس کے قتل میں شریک ہوا۔ لہٰذا اس کے قتل میں یہ تیرا حصہ ہے!

کیا یہ ترک تقیہ کی وہ قسم نہیں ہے جس کی بنا پر دوسرا ہلاکت کا شکار ہوتا ہے؟

۳۔ اسحاق بن عمار کا بیان ہے کہ حضرت ابو عبداللہ نے درج ذیل آیۂ کریمہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔" ذالک بانہم کانوا یکفرون بآیات اللہ ویقتلون النبیین بغیر الحق ذالک بما عصوا وکانوا یعتدون۔" خدا کی قسم انھوں نے اپنے ہاتھوں اور تلواروں سے نبیوں کو قتل نہیں کیا بلکہ ان کے رازوں کو فاش کیا جس کے نتیجہ میں وہ پکڑے گئے اور انھیں ظلم و معصیت کا نشانہ بنا کر قتل کر دیا گیا۔

ان کے علاوہ اس مضمون کی بہت سی روایات ایسی ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ راز کا تعلق ایسے عقائد سے ہے کہ جن کا فاش کر دینا عظیم نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔ لہٰذا اس راز کو نقل کرنا تقیہ کے منافی ہے چونکہ اس سے اپنی یا دوسرے کی جان کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے

پس ان روایات کے مضمون سے بخوبی روشن ہو جاتا ہے کہ تقیہ کی تیسری قسم نہیں ہے بلکہ ان ہی دو قسموں میں شامل ہے۔

ضمیمہ

مبحث التقیہ

ان جاءکم فاسقٌ بنبأٍ فتبینوا

النجم نمبر ۲ جلد ۱۲ اشاعت ۲۱ محرم ۱۳۲۵ھ میں الثانی من المائتین کے عنوان سے ایک مضمون لکھا گیا ہے جس کے رد کرنیکا سہیل بعنایت الٰہی ذمہ دار ہوا اسلیئے آج یہ مبحث کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا ہے ناظرین کرام سے امید ہے کہ وہ اسکے ایک ایک حرف پر نہایت غور و فکر سے نظر ڈالیں گے تاکہ کسی کاذب کے اخبار و کلمات سے فریب ہی کا موقع نہ آنے پائے و ہو المعین

النجم غالباً اس امر کے بیان کرنیکی ضرورت نہیں ہے کہ جھوٹ ایک ایسی بری نجاست ہے جسکو دنیا میں آجتک کسی انسان نے اچھا نہیں سمجھا اہل مذہب اور لا مذہب اس سے نفرت کرتے ہیں حتی کہ بت پرست بھی اسکو نہایت برا جانتے ہیں جھوٹ بولنا سب کے نزدیک نہایت ذلیل کام ہے بقول سعدی ؎ دروغ اے برادر مگو زینہار کہ کاذب بود خوار و بے اعتبار"

سہیل:۔ بیشک ایسا ہی ہے لیکن دنیا اس مطلب کو کہہ سکتی ہے صرف فرقۂ اشاعرہ اس مطلب کو نہیں کہہ سکتا کیونکہ اسکے نزدیک عقل کیلیئے کوئی حکم ہی نہیں تجویز کیا گیا جو کچھ ہے وہ نقل ہے اور وہ امر جسمیں لا مذہب بھی شریک ہو سکتا ہے وہ وہی ہے جسکی نیو عقل کے حکم پر واقع ہوئی ہو ورنہ اسکو آپ کی نقل سے کیا مطلب اور جب یہ ہے تو تم یہی خیال کر کے چپ ہو جاؤ کہ یہ وہ حکم ہے جو منقول ہے تمکو عقل سے کیا غرض اور تمھارے مذہب نے تمھیں اس قابل کہاں رکھا ہے کہ عقل سے احتجاج کر سکو پھر تمھیں یہ بھی خیال کرنا چاہیے کہ ایسی بات نہ کہو جو تمھارے مذہب کی ادم ہو کیونکہ جھوٹ کے سوا اور کوئی چیز تمھاری نصرت نہیں کر سکتی جیسا کہ ہم اس مضمون میں آئندہ اس مطلب کے چہرہ سے پردہ ہٹائیں گے مدیر چونکہ اپنے مذہب کے راستوں سے ناواقف ہے اور وہ اس مطلب کو نہیں جانتا کہ اسکے مذہب کے بڑے سے بڑے عالموں نے کذب صریح کی اجازت دی رکھی ہی نہیں تو وہ کیوں خلاف کذب پر کمر باندھنا چاہتا ہے جیسے النجم جن لوگوں کے پاس جاتا ہے اگرچہ انہیں نے

اکثر تو مدیر ہی کی طرح مذہب سے نابلد ہیں لیکن بعض ایسے بھی ہیں جنکو نقد سخن کا طریقہ معلوم ہے اور وہ جانتے ہیں کہ اس ملمع کے نیچے کیا چیز مخفی ہے میں مدیر کو اس امر کی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ وہ شرح اشباہ ونظائر حموی کو بغور دیکھے تو اسے اس کتاب میں یہ عبارت نظر آئیگی۔

فی شرح العینی للبخاری فی باب شراء المملوک من الحربی فی حدیث قتیبہ عن اللیث بن سعد ما نصہ وفیہ ما فی الحدیث تحیل فی تخلیص من الظلمۃ بل اذا علم انہ لایتخلص الا بالکذب جاز لہ الکذب الصریح وقد یجب فی بعض الصور بالاتفاق لکونہ ینجی نبیا او ولیا ممن یرید قتلہ او نجاۃ المسلمین من عدوہم وقال الفقہاء لو طلب ظالم ودیعۃ لانسان لیاخذہا غصبا وجب علیہ الانکار والکذب فی انہ لایعلم موضعہا انتہی۔

خلاصہ ترجمہ کلام یہ ہے کہ شرح عینی جو صحیح بخاری کے متعلق ہے اس میں حدیث قتیبہ میں جہاں اور باتیں ہیں وہاں یہ بھی ہے کہ ظالم کے پنجہ سے کسی چیز کے نکالنے کے لیے حیلے جائز ہیں بلکہ جب یہ بات کا علم ہوجائے کہ بغیر جھوٹ خلاصی ناممکن ہے تو جھوٹ بولنا بھی جائز ہوگا یہانتک کہ کھلا ہوا سپید جھوٹ جائز ہوجائیگا اور کبھی یہ صریحی جھوٹ اسوقت واجب ہوجائیگا (اور یہ وجوب کذب ایسا ہے جسپہ کل علما کا اتفاق ہے) جب اس جھوٹ سے کسی نبی کی نجات ہوتی ہو یا کسی ولی کی خلاصی ہوتی ہو اور وہ دست ظالم سے جو اسکی قتل کا ارادہ رکھتا ہو رہا ہوسکتا ہو یا اور اسلام والے اپنے دشمنوں سے اس جھوٹ کی وجہ سے بچ سکتی ہوں تو ہر حالت میں یہ سپید جھوٹ بولنا واجب ہوجائیگا اور فقہائے اسلام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی ظالم کسی انسان کی امانت کسی سے غصب کرنے کیلیے مانگے تو اس شخص کو واجب ہوگا کہ وہ جھوٹ بولے اور اس امانت کے وجود کا انکار کردے اور کہے کہ مجھے اس امانت کا مقام معلوم نہیں انتہی۔

کیوں جناب مدیر صاحب یہ عبارت آپ کے اساطین مذہب کی نظر اقدس سے گزری تھی یا نہیں اگر نہیں گزری تو بندہ نے نظر مبارک کے سامنے پیش کردی صرف جھوٹ بولنے کا جواز ہی اس میں نہیں ہے بلکہ وجوب کذب صریح بھی مذکور ہے۔ پھر اب تو جناب اپنی عبارتیں اس قول کے سامنے دوہرا دیکھے کم سے کم یہی کہدیجیے کہ تف ہے ایسے مذہب پر جس میں جھوٹ بولنا جائز ہی نہیں بلکہ واجب سمجھا ہو کیا حضرت ابوبکر نے جو حدیث سیدہ سے فدک کے حاصل کرنے کیلیے سنائی تھی وہ اسی حیلہ پر تو مبنی

نہیں تھی ممکن ہے کہ العیاذ باللہ اہلبیت کو ظلمہ میں سے خیال کیا ہو اور فدک کا لے لینا کسی حیلہ سے واجب سمجھا ہو اور کذب صریح کے قائل ہوگئے ہوں تو اسوقت انکی لئے ایسی حدیث کا گڑھ دینا واجب ہوگیا ہو تو پھر ایسی حدیث کا کیا اعتبار ہوسکتا ہے اور مجھے ایسا کہنے کا موقع اسلیے زیادہ ملا کہ حضرت ابوبکر نے جناب سیدہ صلوات اللہ وسلامہ علیہا کی تکذیب ضرور کی جا ہے انہوں نے میراث پدر کا دعویٰ کیا ہو یا ہبہ فدک کا دعویٰ کیا ہو دونوں صورتوں میں تکذیب ضرور کی اور جسکی تکذیب صحیح ہو اسکا ظالم ہونا صحیح ہے کم سے کم اپنے نفس کا ظالم ایسا شخص ضرور ہوگا پھر کیا دلیل اس بات پر ہوسکتی ہے کہ انہوں نے کذب صریح کا ارتکاب نہیں کیا۔ یہ بھی فتاوائی قاضی خان میں مرقوم ہے۔

رجل دعاہ الامیر لیسئل عن اشیاء ان تکلم بما یوافق الشرع یصیبہ مکروہ فانہ لاینبغی لہ ان یتکلم بما یخالف الحق ہذا اذا کان لایخاف القتل علی نفسہ ولا اتلاف عضوہ ولایخاف علی مالہ فان خاف ذلک فانہ لا باس۔

ملخص ترجمہ یہ ہے کہ کسی مرد کو امیر فرمانروا نے اسلیے بلایا کہ اس سے چند چیزوں کو پوچھے اگر یہ شخص موافق شرع جواب دے تو اسکو کوئی نہ کوئی صدمہ پہونچیگا ایسے شخص کیلیے یہ امر سزاوار نہیں کہ وہ مخالف شرع کوئی بات کہے یہ جبھی جب اسے اپنے قتل ہوجانیکا یا اپنے کسی عضو کے تلف ہوجانیکا اندیشہ نہو اور نہ اپنے مال کا خوف ہو لیکن اگر جان کا خوف ہو یا کسی عضو کے ضایع ہوجانیکا خطرہ ہو تو پھر شرع کے خلاف کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

فتاوئ قاضی خان چھپا ہوا ہر جگہ ملتا ہے ملاحظہ ہو جھوٹ بولنا تو خیر جیسا ہے ویسا ہے لیکن شرع کے خلاف کہنے کی بھی تجویز جناب کے مذہب میں موجود ہے جس سے بالاتر کوئی جھوٹ ہو نہیں سکتا پھر اب اپنے مذہب کے متعلق جناب کا کیا فتویٰ ہے۔

اب یہاں ایک نظر فتح الباری پر بھی جناب کو ڈالنا چاہیے وہاں ابن حجر نے یہ قول نقل کیا ہے

قال ابن بطال تبعا لابن المنذر اجمعوا علی ان من اکرہ علی الکفر حتی خشی علی نفسہ

یعنی ابن بطال نے ابن المنذر کے اتباع کی جہت سے کہا ہے کہ تمام فقہاء اسلام کا اس بات پر اتفاق واجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے یہانتک کہ اسے قتل ہوجانیکا خوف ہو اس حالت میں وہ کفر ظاہر کرے دراں حالیکہ اسکا دل

اقتل لكفر وقلبه مطمئن بالايمان انه لا يحكم عليه بالكفر ولا تبين منه زوجته الا محمد بن الحسن فقال ابانت اظهر الكفر صار مرتدا و بانت منه امراته ولو كان في الباطن مسلما قال وهذا قول نفي حكاية عن السعدي في النتف

ایمان سے مطمئن ہو تو اسپر ہرگز کافر ہونے کا حکم نہ کیا جائیگا اور نہ اسکی زوجہ اس سے علیحدہ ہوگی ہاں صرف محمد بن حسن نے اس اجماع کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اظہار کفر کرنے والا مرتد ہو جائیگا اور اسکی زوجہ اس سے علیحدہ ہو جائیگی اگرچہ وہ باطن میں مسلمان ہی کیوں نہ ہو یہ ایک ایسا قول ہے کہ اسکا نقل ہی کر دینا کافی ہے رد کرنیکی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ قول قطعی دلیلوں کے مخالف ہے۔

اب تک مدیر کو اس بات کا رونا تھا کہ لوگ جھوٹ بولنے کو جائز کیے دیتے ہیں اب تو غالباً انکے آنسو نہ بہیں کیونکہ کفر کے اظہار کا جواز بھی انکے مذہب میں سنا دیا۔ جب میں یہاں تک تحریر کر چکا تو اب جناب کی تحریر کے چسپاں ہونیکا موقع ہے وہو ہذا۔

"لہٰذا جس مذہب میں جھوٹ بولنا اعلیٰ ترین عبادت قرار دیا گیا ہو اس مذہب کے باطل ہونے میں کس کو شک ہو سکتا ہے اور اس مذہب کے لوگ اگر کسی بات کی خبر دیں کوئی روایت بیان کریں اُسپر کون اعتبار کر سکتا ہے۔"

اسی وجہ سے حضرت عثمن کی بات کا اعتبار نہ مدینہ کے صحابیوں نے کیا نہ اہل مصر نے کیونکہ پہلی مرتبہ جب انھوں نے توبہ کی کہ اب ایسی حرکات نہ کرونگا تو اہل مصر پلٹ گئے کہ شاید اب یہ ایسی حرکتیں نہ کریں انکو کیا معلوم تھا کہ اظہار توبہ فقط لوگوں کے واپس کر دینے کیلیے ہے حقیقت میں وہ کوئی چیز نہیں ہے چنانچہ مورخ طبری اور دیگر مورخین قمطراز ہیں مگر یہاں صرف طبری کی روایت کو نقل کرتا ہوں جو عبرت کیلیے کافی ہے۔

وكتب عثمن الى عبد الله بن سعد بن ابي سرح عامله على مصر حين تراجع الناس عنه وزعم انه تائب بكتاب في الذين شخصوا من مصر وكانوا

مختصر ترجمہ یہ ہوا کہ حضرت عثمان نے اپنے عامل عبد اللہ بن سعید بن ابی سرح کو جو مصر کا فرمانروا تھا لکھا اسوقت جب مصر کے لوگ مطمئن ہو کر مدینہ سے مصر کی جانب پلٹ رہے تھے اور یہ خیال کر لیا گیا تھا کہ حضرت عثمن نے توبہ کر لی اب وہ آئندہ اپنی معمولی حرکتوں سے باز رہینگے)

اشد اهل الامصار عليه اما بعد فانظر فلانا و فلانا فاضرب اعناقهم اذا قدموا عليك فانظر فلانا و فلانا فعاقبهم بكذا وكذا منهم نفر من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ومنهم قوم من التابعين فكان رسوله في ذلك ابو الاعور بن سفيان السلمي حمله عثمن على جمل له فقالوا له هل معك كتاب قال لا قالوا فيم ارسلت قال لا علم لي قالوا ليس معك كتاب لا علم لك بما ارسلت ان امرك مريب ففتشوه فوجدوا معه كتابا في اداوة يابسة فنظروا في الكتاب فاذا فيه قتل بعضهم وعقوبة بعضهم في انفسهم واموالهم فلما راوا ذلك رجعوا الى المدينة فبلغ الناس رجوعهم والذي كان من امرهم فرجعوا من الافاق كلها وثار اهل المدينة۔

خط کا مضمون یہ تھا کہ اما بعد فلاں اور فلاں اہل مصر کو دیکھنا انکو قتل کر دینا جب وہ اس مصر میں تجھ تک پہونچ جائیں اور فلاں فلاں کو یہ سزا دینا اور یہ سزا دینا انمیں سے کچھ لوگ رسول اللہ کے صحابی تھے اور بعض لوگ انمیں تابعین میں سے تھے یہ نامہ لکھکر حضرت عثمن نے ابو الاعور بن سفیان سلمی کو دیا اور اپنے اونٹ پر اسکو سوار کر کے حکم دیا کہ مصر جائے اور اتنی تعجیل سے جائے کہ وہ لوگ جو مصر پلٹ کر جا رہے ہیں مصر میں نہ پہونچنے پائیں اتفاق کی بات کہ راہ کے کسی حصہ میں ابو الاعور سے اور اُن لوگوں سے (جنکے باب میں سزائیں تجویز کی گئی تھیں) مڈ بھیڑ ہو گئی اُن لوگوں نے ابو الاعور سے پوچھا کہ کہاں جاتے ہو اسنے کہا مصر جاتا ہوں ابو الاعور کے ساتھ ایک شامی بھی موجود تھا جو خولانی تھا لیکن ابو الاعور کو حضرت عثمن کے اونٹ پر دیکھکر ان لوگوں نے پوچھا کہ کوئی خط تمہارے ساتھ ہے ابو الاعور نے کہا نہیں کوئی خط میرے ساتھ نہیں انھوں نے کہا آخر کس کام کیلیے بھیجے گئے ہو ابو الاعور نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں تب انھوں نے کہا کہ نہ تیرے پاس خط ہے نہ تجھے اسبات کا علم ہے کہ تو کس کام کیلیے بھیجا گیا ہے تیرا معاملہ تو شک پیدا کرتا ہے پیچھے انھوں نے ابو الاعور کی تلاشی لینا شروع کر دی تو ایک خشک پانی کے برتن میں انکو ایک خط ملا خط کو کھولا کھول کے پڑھا تو انہیں نظر آیا کہ انمیں سے بعض کے قتل کا حکم ہے بعضوں کیلیے مال کے سزا تجویز کی گئی ہے بعضوں کے لیے جان کی سزا مرقوم ہے جب اُن پلٹتے ہوئی لوگوں نے (توبہ کا) یہ حال دیکھا تو وہ مدینہ کی طرف پھر پلٹ پڑے لوگوں کو خبر معلوم ہوئی کہ وہ لوگ پلٹ آئے اور جو راہ میں قصہ گزرا تھا اسکی خبر بھی پھیلی تو سب لوگ ہر افق سے پلٹے اور مدینہ والوں میں پھر جوش پیدا ہو گیا۔

پھر اسکے بعد ہی طبری نے یہ روایت لکھی ہے۔

حدثنی جعفر قال حدثنا عمرو و علی قالا حدثنا حسین عن ابیہ عن محمد بن السائب الکلبی قال انما رد اہل مصر الی عثمن بعد انصرافہم عنہ انہ ادرکہم غلام لعثمان علی جمل لہ بصحیفۃ الی امیر مصر ان تقتل بعضہم وان یصلب بعضہم فلما اتوا عثمن قالوا ہذا غلامک قال غلامی انطلق بغیر علمی قالوا جملک قال اخذوہ من الدار بغیر امری قالوا خاتمک قال نقش علیہ

سند مذکور سے سائب کلبی سے روایت ہے اسنے بیان کیا کہ اہل مصر عثمن سے پلٹ کر پھر اسلیے پلٹ آئے کہ انھوں نے راہ میں عثمان کے غلام کو عثمن کے اونٹ پر عثمان کے خط سمیت پایا جسمیں بعض لوگوں کیلیے سزائے موت تلوار کے ذریعہ سے تجویز کی گئی تھی اور بعضوں کی سزائے موت سولی کے ذریعے سے تجویز کی گئی تھی جب وہ عثمن کے پاس آئے تو انھوں نے پوچھا کہ یہ تمھارا ہی غلام ہے نہ؟ کہا میرا غلام بغیر میرے علم کے چلا گیا پھر لوگوں نے پوچھا کہ یہ تمھارا ہی اونٹ ہے نا؟ کہا اسے میرا اونٹ (بغیر میری اجازت) میرے گھر سے لے لیا کہا کہ یہ کاغذ پر تمھاری ہی مہر ہے نا؟ کہا اسنے کاغذ پر مہر کر لی

آپ ملاحظہ فرمائیں کہ توبہ میں جھوٹ پھر فرستادہ کا انکار خط میں جھوٹ پھر حضرت عثمان کے [illegible] غلام کے جانے میں اونٹ کے لینے میں مہر کے کرنے میں۔ آخر آپ اسے دروغ کہتے ہیں یا تقیہ کچھ فرمایئے تو حضرت عثمان کے حالات ہیں جو منجملہ خلفائے راشدین ہیں کوئی اور معمولی آدمی نہیں ہے اور اگر اسسے صریح روایت دیکھنا ہو تو وہ بھی حاضر ہے جو اسی کتاب میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

حدثنی جعفر قال حدثنا عمرو و علی قالا حدثنا حسین عن ابیہ عن محمد بن اسحق ابن یسار المدنی عن یحیی بن عباد عن عبد اللہ بن الزبیر عن ابیہ قال کتب اہل مصر بالسقیا او بذی خشب الی عثمان بکتاب فجاء بہ رجل

محصل کلام زبان اردو میں یہ ہے کہ بسند مذکور زبیر ابن العوام سے روایت ہے کہ مصر والوں نے مقام سقیا یا ذی خشب سے عثمان کو ایک خط لکھا اس خط کو انھیں میں کا ایک آدمی لیکر عثمان پاس آیا۔ حضرت عثمن نے خط تو دیکھ لیا لیکن اسکا کوئی جواب نہ دیا اور حکم دیا کہ اس نامہ بر کو گھر سے نکال دو وہ حسب الحکم نکال دیا گیا وہ تمام مصری لوگ جو عثمان کا ارادہ کرکے آئے تھے انکی تعداد چھ سو تھی اس تمام جماعت میں چار علم تھے اور چار سردار تھے ہر سردار پاس ایک جھنڈا تھا اور تمام سرداری لشکر کی انتہا عمرو بن

منہم حتی دخل بہ علیہ فلم یرد علیہ شیئاً فامر بہ فاخرج من الدار وکان اہل مصر الذین ساروا الی عثمن ستمائۃ رجل علی اربعۃ الویۃ لہا رؤس اربعۃ مع کل رجل منہم لواء وکان جماع امرہم جمیعاً الی عمرو بن بدیل بن ورقاء الخزاعی وکان من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والی عبد الرحمان بن عدیس التجیبی فکان فیما کتبوا الیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم اما بعد فاعلم ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم فاللہ اللہ ثم اللہ اللہ فانک علی دنیا فاستتم الیہا معہا آخرۃ ولا تنس نصیبک من الآخرۃ فلا تسوغ لک الدنیا واعلم انا واللہ للہ نغضب وفی اللہ نرضی وانا لن نضع سیوفنا عن عواتقنا حتی تاتینا منک

بدیل بن ورقاء خزاعی اور عبد الرحمن بن عدیس کی جانب تھے اور عمرو بن بدیل جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے ان لوگوں نے جو خط لکھا تھا اسکا یہ مضمون تھا۔ بسم اللہ کے بعد لکھا تھا کہ تمھیں معلوم رہنا چاہیے کہ خدا کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے حالات میں تغیر و تبدل نہ کریں دیکھو خدا سے ڈرو خدا سے ڈرو پھر ہم کہتے ہیں کہ خدا سے ڈرو خدا سے ڈرو کیونکہ تم دنیا میں ہو آخرت کو بھی اسکے ساتھ ملا لو اور اپنے آخرت کے حصہ کو بھولو نہیں ورنہ دنیا بھی تمھارے لیے گوارا نہ ہوگی اور یہ بھی جانتے رہو کہ خدا کی قسم ہم خدا ہی کیلیے غضبناک ہوتے ہیں اور خدا ہی کیلیے راضی ہوتے ہیں اور ہم اپنی تلواروں کو اپنے کاندھوں سے اسوقت تک نہ اتاریں گے جب تک ان دو باتوں میں سے ایک معلوم نہ ہو جائے یا تو یہ معلوم ہو جائے کہ تمنے اپنی باتوں سے صریحی توبہ کی اور اب جیسا کرتے تھے ویسا نہ کروگے یا یہ معلوم ہو جائے کہ تم اپنی گمراہی کو کسی طرح نہ چھوڑوگے (غرض جو بات ہو ہمیں صاف صاف معلوم ہو جانی چاہیے) یہ ہمارا قول ہے اور یہی ہمارا فیصلہ ہے اور خدا ہمارا عذر تمھارے باب میں قبول کریگا۔ والسلام۔ ادھر تو مصریوں نے یوں لکھا اور ادھر مدینہ والوں نے عثمان سے توبہ کرینگی بذریعہ خط خواہش کی اور سب نے قسم کھائی کہ وہ انھیں کسی طرح نہ چھوڑینگے جب تک کہ عثمن انکی مانگی ہوئی مراد نہ دینگے ورنہ وہ انھیں قتل کر دینگے۔ الغرض جب ہر طرف سے عثمن پر زمین تنگ کی گئی اور انکو اپنی جان کا خوف ہوا تو انھوں نے اپنے خواص اور مخلصوں سے مشورہ کیا اور ان مشورہ دینے والوں میں اپنے گھر والوں کو بھی شریک کر لیا اُن لوگوں سے عثمن نے یوں گفتگو شروع کی کہ جو کچھ لوگ کر رہے ہیں وہ تمنے دیکھا اور دیکھ رہے ہو آخر چارہ کار کیا ہے اور ان باتوں

توبة عندنا وصلاتنا مخلجة فنزه
مقالتك وقضيتنا اليك والله
عذيرنا منك والسلام. فكتب اهل
المدينة الى عثمن يدعونه الى التوبة
ويحتجون ويقسمون له بالله لا يمسكون
عنه ابدا حتى يقتلوه او يعطيهم ما يلزمه
من حق الله فلما خاف القتل شاور
نصحاءه واهل بيته فقال لهم قد صنع
القوم ما قد رأيتم فما المخرج فاشاروا
عليه ان يرسل الى علي بن ابي طالب
فيطلب اليه ان يردهم عنه ويعطيهم
ما يرضيهم ليطاولهم حتى يأتيه امداده
فقال ان القوم لن يقبلوا التعليل
وهي محملي عهدا وقد كان مني في قدمتهم
الاولى ما كان فمتى اعطيهم ذلك يسألوني
الوفاء به فقال مروان بن الحكم
يا امير المؤمنين مقاربتهم حتى تقوى امثل
من مكاثرتهم على القرب فاعطهم ما
سألوك وطاولهم ما طاولوك
فانما هم بغوا عليك فلا عهد لهم فارسل
الى علي فدعاه فلما جاءه قال يا ابا حسن

خلاصی کیونکر ممکن ہے سب نے اس بات کا مشورہ دیا کہ حضرت علی بن ابیطالبؑ کو
بلوائیے اور ان سے اس بات کی خواہش کیجیے کہ وہ لوگوں کو آپ سے باز رکھیں
اور وہ اُن لوگوں سے انکی مرضی کے موافق وعدہ کر کے انکو ٹال دیں یہاں تک
کہ آپکے اعوان و انصار جمع ہو جائیں حضرت عثمن نے فرمایا کہ اب وہ وقت
نہیں رہا کہ لوگ لیت ولعل سے راضی ہو جائیں اور میرا عہد و پیمان انکی
نظر میں کمزور ہے پہلے مرتبہ جب یہ لوگ آئے تھے تو ایسا ہی کچھ کہا گیا تھا اب اگر
میں عہد و پیمان کر کے ان سے وعدہ کروں گا تو یہ لوگ مجھے وفائے عہد کا
تقاضا کریں گے مروان بن حکم نے کہا یا امیر المومنین ان کے موافق رفتار کرنا
کہ آپکو قوت حاصل ہو اس امر سے بہتر ہے کہ وہ لوگ قریب ہو کر زیادہ ہوتے
جائیں لہذا مناسب ہے کہ جس بات کو یہ لوگ مانگیں وہ انکے موافق دیجائے
اور انکو اسوقت تک ٹالنا چاہیے جب تک وہ ٹل سکیں کیونکہ یہ لوگ باغی ہیں
اور باغیوں سے عہد کی وفا کیسی جب یہ رائے قرار پائی تو عثمن نے حضرت علی کو
بلوا بھیجا جب آپ تشریف لائے تو عثمن نے یوں کہنا شروع کیا، آپنے دیکھا جو کچھ
ان لوگوں نے میرے ساتھ سلوک کیا یا کر رہے ہیں اور یہ بھی آپکے علم میں ہے
کہ میں نے ان کے ساتھ کیا کیا اور اب مجھے اپنے قتل ہونے سے اطمینان نہیں ہے
لہذا ان کو کسی طرح واپس کر دیجیے کیونکہ میں خدا کو ضامن دیتا ہوں کہ میں
ہر چیز کو جو انکو ناپسند ہے چھوڑ کر انکو خوش کر دوں گا اور حق انکو ضرور دونگا
چاہے وہ میرے نفس سے متعلق ہو یا میرے غیر سے متعلق ہو ایسا میں ضرور کرونگا
چاہے میری جان جاتی رہے حضرت امیر المومنین نے جواب میں فرمایا کہ لوگوں کو
آپکے قتل کر دینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ آپ کی عدل و داد کی ضرورت ہے
اور مجھے تو یہی دکھلائی دیتا ہے کہ یہ لوگ جب تک کہ ان کی مرضی کے موافق کام

انه قد كان من الناس ما قد رأيت
وكان مني ما قد علمت ولست آمنهم
على قتلي فارددهم عني فان لهم الله
عز وجل ان اعتبهم من كل ما يكرهون
وان اعطيهم الحق من نفسي ومن
غيري وان كان في ذلك سفك دمي
فقال له علي الناس الى عدلك
احوج منهم الى قتلك واني لارى
قوما لا يرضون الا بالرضا وكنت
اعطيتهم في قدمتهم الاولى عهدا من الله
لترجعن عن جميع ما نقموا فرددتهم
عنك ثم لم تف لهم بشيء من ذلك
فلا تغررني هذه المرة من شيء فاني معطيهم
عليك الحق قال نعم فاعطهم فوالله
لافين لهم فخرج علي الى الناس فقال
ايها الناس انكم انما طلبتم الحق فقد
اعطيتموه ان عثمن قد زعم انه
منصفكم من نفسه ومن غيره وراجع
عن جميع ما تكرهون فاقبلوا منه
ووكدوا عليه قال الناس قد قبلنا
فاستوثق منه لنا فانا والله

نہ کیا جائیگا راضی نہ ہونگے اور تمنے پہلے ہی جب یہ لوگ آئے تھے تو خدا سے عہد کیا تھا
کہ تم تمام وہ باتیں ترک کر دوگے جن سے ان لوگوں کو برہمی ہے اور اسی بنا پر تمنے
ان لوگوں کو پلٹا دیا تھا مگر تمنے اپنے عہدوں پر وفا نہ کی اب اس مرتبہ مجھے دھوکا
نہ دینا کیونکہ میں انہیں اس مرتبہ انکا حق ضرور دلواؤنگا حضرت عثمان نے کہا اچھا آپ
آپ انکو حق ضرور دلوائی اور خدا کی قسم میں جو کچھ کہونگا انکے ساتھ وفا بھی کرونگا
جب امیر المومنین علیؑ نے یہ سنا تو آپ ان لوگوں کے پاس تشریف لائے اور
فرمایا اے گروہ مردم تم تو صرف طالب حق ہو اور حق ہی مانگتے ہو اچھا تمہیں
حق دیا گیا کیونکہ عثمان کا خیال ہے کہ وہ تمھارے باب میں انصاف کرینگے چاہے خود
انکے نفس سے وہ انصاف متعلق ہو یا انکے غیر سے اور تمام اُن باتوں کو چھوڑ دینگے
جو تمہیں ناپسند ہیں اچھا تو اب ان وعدہ کو اُن سے قبول کرو اور عذر کو ختم کر دو
لوگوں نے کہا کہ ہمیں منظور ہے آپ ان سے ان عہدوں کو مضبوط کر کے خوب پختہ طرح
پکے پورے کر دیجیے کیونکہ خدا کی قسم ہم فقط کہنے سے خوش نہ ہونگے جب تک کہ کام قول کے
موافق نہ کیا جائیگا امیر المومنین نے ان سے فرمایا اچھا یہ تمھارے لیے کیا جائیگا
اس کے بعد آپ عثمان کے پاس تشریف لائے اور ساری سرگزشت بیان کی عثمن نے
کہا کہ اچھا ان باتوں کے رد براہ کرنیکے لیے میرے اور انکے درمیان میں ایک مدت قرار
دیجیے جس میں تمام انتظام پورا کر سکوں کیونکہ یہ بات میرے امکان سے باہر ہے کہ
میں ایک ہی دن میں تمام انتظامات انکی مرضی کے موافق کر سکوں امیر المومنین نے
فرمایا کہ جو انتظامات مدینہ کے متعلق ہیں انمیں تو مہلت کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ
وہ سب باتیں ہیں سامنے موجود ہیں ہاں وہ انتظامات جو مدینہ کے باہر ہیں انہیں انکو
اتنی مہلت دینی چاہیے جتنے عرصہ میں تمھارا حکم وہاں تک پہونچ سکے کہا اچھا یہ تو ہے مگر
مدینہ ہی میں مجھے مدینہ ہی کے انتظام کیلیے تین دن ملنے چاہیے امیر المومنین نے کہا

لا ترضى بقول دون فعل فقال لهم
علی ذلک لکم ثم دخل علیه فاخبره الخبر
فقال عثمان اضرب بینی وبینهم اجلاً
یکون لی فیه مهلة فانی لا اقدر علی رد ما
کرهوا فی یوم واحد قال له علی ما حضر
بالمدینة فلا اجل فیه وما غاب فاجله
وصول امرک قال نعم ولکن اجلنی فیما
بالمدینة ثلاثة ایام قال علی نعم فخرج الی
الناس فاخبرهم بذلک وکتب بینهم
وبین عثمان کتابا اجله فیه ثلاثا علی ان
یرد کل مظلمة ویعزل کل عامل کرهوه
ثم اخذ علیه فی الکتاب اعظم ما اخذ الله
علی احد من خلقه من عهد ومیثاق
واشهد علیه ناسا من وجوه المهاجرین
والانصار فکف المسلمون عنه و
رجعوا الی ان یفی لهم بما اعطاهم من نفسه
فجعل یتأهب للقتال ویستعد
بالسلاح وقد کان اتخذ جندا عظیما
من رقیق الخمس فلما مضت الایام
الثلاثة وهو علی حاله لم یغیر شیئا
مما کرهوه ولم یعزل عاملا ثار به

اچھا جبر ہے یہ کہہ کے آپ لوگوں پاس تشریف لائے اور اُن سے تمام واقعات
بیان کر دیئے اور آپنے لوگوں کے درمیان میں اور عثمان کے درمیان میں ایک تحریر
لکھی جس میں عثمان کو تین دن کی مہلت دیگئی اس امر کے لیے کہ ہر مظلمہ کو وہ رد
کر دینگے اور ہر عامل کو جو قوم کی خوشی کے موافق نہو معزول کر دینگے پھر عثمان پر
بڑے سے بڑا عہد و میثاق جو خدا نے اپنے کسی بندے سے لیا ہو تحریر کیا گیا
اور تمام مہاجرین و انصار کی اُس پر گواہیاں لکھی گئیں اس عہدنامہ کی تحریر کے
بعد لوگوں نے تعرض عثمان سے دست کشی کی اور اسوقت تک کے لیے جب تک
وہ ان عہدوں پر وفا کریں لوگ پلٹ گئے۔ ادہر تو وہ لوگ پلٹے ادہر حضرت
عثمان نے جنگ کیلیے آمادگی شروع کر دی اور سلاح جنگ مہیا کرنا شروع
کر دیا خمس کے حق میں جو غلام فراہم ہوئے تھے اُنکو جمع کرکے ایک بڑا لشکر
بنایا جب مہلت کے تینوں دن گذر گئے اور حضرت عثمان اپنے حالات پر ثابت
قدم رہے نہ کوئی جدید انتظام کیا نہ کسی عامل کو معزول کیا تو اب لوگوں میں
سخت جوش پیدا ہو گیا اور عمرو بن حزم انصاری نے مقام ذی خشب میں
آکر مصر والوں کو صورت واقعہ سے اطلاع دی اور پھر مصر والوں کے تمام
مدینہ واپس آیا ان لوگوں نے عثمان پاس یہ پیام بھیجا کہ کیا ہم تمہاری تحریر
کی امید پر یہاں سے نہیں پلٹے تھے اور کیا تم نے خدا سے عہد و پیماں نہیں کیا تھا کہ
ہم اپنے تمام مکروہ باتیں چھوڑ دینگے عثمان نے کہلوا بھیجا کہ ہاں ویسا عہد
ہوا تھا میں اسی وعدہ پر قائم ہوں لوگوں نے کہا کہ اگر تم اسی عہد و پیماں پر
قائم ہو تو وہ خط کیسا تھا جو ہمنے تمہارے قاصد کے ساتھ پایا اور جسمیں تمنے
عامل مصر کے نام لکھا تھا کہا کہ نہ میں نے وہ خط بھیجا ہے نہ مجھے اس خط کا کوئی علم
ہے لوگوں نے کہا کہ تمہارا قاصد تمہارے اونٹ پر اس خط کو لیکر نکلا جو تمہارے

الناس وخرج عمرو بن حزم الانصاری حتی اتی المصریین
وهم بذی خشب فاخبرهم الخبر وسار معهم حتی قدموا المدینة
فارسلوا الی عثمان الم نفارقک علی انک زعمت انک تائب
من احداثک وراجع عما کرهنا منک واعطیتنا علی ذلک
عهد الله ومیثاقه قال بلی انا علی ذلک قال فما هذا الکتاب
الذی وجدنا مع رسولک وکتبت به الی عاملک قال ما فعلت
ولا لی علم بما تقولون قالوا بریدک علی جملک وکتاب کاتبک
علیه خاتمک قال اما الجمل فمسروق وقد یشبه الخط الخط
واما الخاتم فانتقش علیه قالوا فانا لا نعجل علیک وان کنا قد
اتهمناک اعزل عنا عمالک الفساق واستعمل علینا من لا یتهم
علی دمائنا واموالنا واردد علینا مظالمنا قال عثمان ما
ارانی اذا فی شیء ان کنت استعمل من هویتم واعزل
من کرهتم الامر اذا امرکم۔

کاتب کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا اور اُس پر تمہاری مہر
موجود ہے اس فصیح و صریح عبارت کے جواب میں
حضرت عثمن نے بیان فرمایا کہ اونٹ میرا چرا لیا گیا
ہے رہ گیا خط تو ممکن ہے کہ کسی کاتب نے جسکا
خط میرے کاتب کے خط کے مشابہ ہو لکھا ہو کیونکہ
ایک خط دوسرے خط کے مشابہ ہو سکتا ہے رہ گئی مہر
سو ممکن ہے کہ وہ بنالی گئی ہو لوگوں نے اسکے جواب میں کہا
کہ اب بھی ہم جلدی نہیں کرتے اگر تمپر ان باتوں کا اتہام
قائم ہو چکا اپنے فاسق عاملوں کو معزول کر دو اور
اُن لوگوں کو منصوب کرو جو ہماری جان و مال کی
حفاظت میں مشکوک نہوں اور ہمارے مظالم کو
ہمیں واپس دو تو عثمان نے کہا کہ پھر میں تو کچھ رہا ہی
نہیں جب میں تمہاری مرضی کے موافق عزل و
نصب کروں۔

(اب سمجھے) اب مدیر النجم شمار کرے کہ کتنے جھوٹ استعمال کئے گئے اور صرف بندوں ہی سے نہیں بلکہ خدا سے عہد کرکے بولے گئے بعض انہیں بالکل بلا ضرورت بولے گئے قتل کا اندیشہ اسی جھوٹ ہی میں تھا صدق میں ہرگز نہ تھا لیکن پامردی اسکا نام ہے کہ عہد و میثاق سب موجود دیکھتے رہے لیکن حضرت خلافت مآب نے ہرگز سچ کو قابل عمل نہ سمجھا یہانتک کے انجام کار جو کچھ ہونا تھا وہ ہوا۔ اچھا اب آپ کیا فتوی دیتے ہیں کیونکہ یہ آپکے عوام کا فعل نہ تھا بلکہ ایک خلیفہ رشید کا فعل تھا جسکی اطاعت بہر حال آپکو واجب ہے کیونکہ اصول ہی اس قسم کے مسلم ہو چکے ہیں جس سے آپ مجبور ہیں پھر حضرت عثمان کے اس رویہ کو دیکھتے ہوئے آپ اُنکے کسی قول کا اعتبار فرما سکتے ہیں نہیں اور پھر بقول آپکے دروغ بلا ضرورت جو بدترین قسم ہے اسکا ارتکاب کیا کیونکہ جان بچانے کیلیے

حکایت سابق میں سچائی کی ضرورت تھی نہ جھوٹ کی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں اگر جھوٹ بولنے کو بوقت ضرورت شدید جائز کہا جائے تو اس میں عقلاً اور عرفاً چنداں قباحت نہیں کیونکہ جائز اسے کہتے ہیں جسکے کرنے میں ثواب بھی نہو گناہ بھی نہو مگر جب جائز سے ترقی کر کے اسکو فرض و واجب کہا جائے اس کو عبادت کہا جائے تو عقل سلیم کبھی پسند نہیں کر سکتی۔

مدیر صاحب نے لفظ چنداں پر ایک حاشیہ بھی دیا ہے اسکے الفاظ یہ ہیں "یعنی عوام کے لیے ضرورت شدیدہ کے وقت میں جھوٹ بولنا معیوب نہیں خواص کے لیے اُس وقت میں بھی معیوب ہے"

اس عبارت کو دیکھکر مجھے اس بات کا موقع ملتا ہے کہ حضرت عثمان جو مذہب اہلسنت کے رئیس ہیں وہ مدیر کے نظر میں عوام میں داخل تھے یا خواص میں اگر عوام میں داخل تھے تو انکو بضرورت جھوٹ بولنا نظر مدیر میں جائز تھا مگر انھوں نے بلا ضرورت ارتکاب کذب فرمایا اور اگر وہ خواص میں سے تھے تو کسی طرح بھی انکو کذب جائز نہ تھا پھر جب آپکے رؤسا آپکے راویوں کی حکایت کی بنا پر اس جرم شنیع میں مبتلا ہوں تو آپ کسی مذہب والے کے سامنے اس طرح کی بیجا تقریریں کیوں کرتے ہیں

ایک صعب المرور منزل

اس امر سے خوش ہوں کہ تقیہ پر ہنسنے والا اسکے جواز کو اس مضمون میں تجویز کرتا ہے وہ عوام ہی کیلیے سہی مگر خیر تقیہ اسکی نظر میں کوئی چیز تو ثابت ہوا اب وجوب کا سمجھانا اور تقیہ کا عبادت ہونا اسکا سمجھا دینا میرا کام ہے لہذا ناظرین میرے الفاظ کی طرف ہمہ تن گوش ہو جائیں اگر مدیر کی سمجھ میں میری باتیں نہ آئیں گی تو بہت سے انصاف پسند چاہے وہ مذہباً سنی ہوں یا شیعہ اطراف عالم میں موجود ہیں جو داد انصاف دے سکتے ہیں۔

میں اپنے اس بیان میں ایک خاص شخص (جو اپنے کو بڑا مناظر اور بڑا متکلم سمجھتا ہے اور اسکے دل میں اس بات کی حسرت ہے کہ وہ حضرات اہلسنت میں رئیس مذہب تسلیم کیا جائے) کو مخاطب کرتا ہوں اور اسی سے اسوقت میرا تخاطب ہے "کیوں جناب مولوی عبد الشکور صاحب مدیر النجم" اگر جناب کی پیدائش مقدم ہوتی اور تقدیر نے آپکو پیدا کر کے صبح شب ہجرت غار ثور کے کنارے کھڑا کر دیا ہوتا اور غار میں خلاصہ موجودات کا قیام ہوتا اور حضرت ابوبکر بھی اپنے حزن سمیت غار میں موجود

ہوتے اور آنحضرت کے دشمن اور جانستان دشمن پیغمبر کو ڈھونڈتے ہوئے آتے اور آپ نے پیغمبر اور اپنے رہنمائے اول کو غار میں جاتے ہوئے دیکھا ہوتا اور وہ آپ سے پوچھتے کہ تم بتاؤ غار میں مکہ کا دعوائے نبوت کرنے والا ہے یا نہیں درانحالیکہ کبوتران صحرائی اپنی بود و باش سے قصہ وجود پیغمبر کو جھٹلاتے ہوتے اور کمزور مکڑی کا جالا دشمنوں کی آنکھ کا جالا ہو رہا تھا تو آپ دشمنوں کے سوال کے وقت کیا جواب دیتے پیغمبر کے غار میں ہونیکی تصدیق فرماتے یا کہتے کہ مینے نہیں دیکھا یا کہتے کہ مجھے معلوم نہیں اگر جناب اپنی سچائی کے دھن میں کہیں یہ کہدیتے کہ جی ہاں اسی غار میں ہیں مینے خود بچشم خود جاتے ہوئے دیکھا ہے تو قتل پیغمبر کا بار آپکے سر مبارک پر ایک ناگوار سہرا بنکر رہتا جو برص اور جذام کے داغوں سے کہیں زیادہ بدنما ہوتا اور اگر آپ فرماتے کہ مجھے نہیں معلوم جب بھی آپ انکو تفحص اور تفتیش کا موقع دیتے ضرور آپ کو یہ کہنا پڑتا کہ وہ اس غار میں نہیں ہیں تاکہ آپ کبوتر اور مکڑی سے کم نہ نکلیں اور اعدائے خدا میں آپ کا شمار نہو اور آپ اور دنیائے عاقل کو یہ بات معلوم ہے کہ ایسا کہنا کہ اس غار میں نہیں ہیں کذب صریح ہوتا اور آپ اگر محبت خدا و رسول رکھتے تھے تو اس ارتکاب سے بچ نہیں سکتے تھے اب فرمائیے کہ ایسے وقت میں یہ کذب صریح آپ پر واجب ہوتا یا جائز اگر آپ جائز فرمائینگے تو سچے واقعات کا بیان کرنا بھی جائز ہوگا یعنی قتل رسول کا راستہ بتانا بھی جائز ہوتا اور اسکو جائز کہنا شاید آپ ہی کا کام ہے اگر آپ جرأت کر سکیں تو کیجیے۔

لیکن مجھے معلوم ہے کہ آپ تو کیا مدعیان اسلام کی کوئی فرد بھی اسوقت راست گوئی کو جائز نہیں کہہ سکتی پھر جب ایسے وقت میں راست گوئی حرام تھی تو دروغ گوئی واجب ہوئی یا نہیں اب اگر آپ اس مواخذہ سے بھاگ سکتے ہوں تو بھاگیے وانی المفر۔ اور آپ عوام میں سے تو اپنے کو گنتے نہونگے تاکہ انکے لیے تقیہ کا جواز تجویز کرتے آپ تو خواص میں سے ہیں اور آپ ہی پر تقیہ بدنصیبی سے واجب ہو جاتا پھر چونکہ آپنے طرفداری خدا اور رسول کی ہوتی اسلیے جتنا بھی ثواب جناب باری مرحمت فرماتا وہ کم تھا کیونکہ آیہ کریمہ قرآنیہ۔

من اجل ذلک کتبنا علی بنی اسرائیل انه من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض	اسی وجہ سے ہمنے بنی اسرائیل پر لکھدیا کہ جو کوئی شخص کسی نفس کو بغیر انتقام نفس یا بغیر کسی فساد ارضی کے قتل کردے تو وہ

فکانما قتل الناس جمیعا ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا۔	ایسا ہے جیسے اس نے تمام بندگان خدا کو قتل کر دیا ہو اور جو شخص کسی نفس کو زندہ کرے وہ ایسا ہے جیسے اسنے تمام لوگوں کو زندہ کر دیا ہو

جب یہ فیصلہ معمولی نفوس کے متعلق خدا نے قرار دیا ہے تو خاتم المرسلین کے نفس مبارکہ کے بچاؤ کی ترکیب کر دینا کسقدر موجب اجر ہوتا اور کتنی بڑی عبادت ہوتی اتنو غبی سے غبی پر یہ امر منکشف ہو گیا ہوگا کہ تقیہ کبھی واجب ہو جاتا ہے اور بڑی سے بڑی عبادت کی صورت میں ہوتا ہے جسکے ثواب کی کوئی انتہا متصور نہیں ہوتی۔ مگر مدیر سے امید نہیں کہ وہ چاہے اس نکتہ صریح کو سمجھے کیونکہ اس نے اپنے آگے ان لوگوں کو کر رکھا ہے جنہوں نے کبھی قتل نبی کے راستہ نکالنے میں دریغ نہیں کیا چنانچہ میدان جنگ احد آیات قرآنی سمیت جو اس موقع کے عظیم القدر گواہ ہیں اس مطلب پر شاہد ہے لوگ اطمینان سے آرسے تر چھے ہو کر دہنے بائیں نکل گئے اور ایک جماعت پہاڑ کی چوٹی پر اطمینان تمام بیٹھے رہے اور میدان جنگ میں پیغمبر عظیم مصیبت میں مبتلا تھا جسپر ہاتھ رکھے ہوئے بالطمینان تمام بیٹھے رہے اور میدان جنگ میں پیغمبر عظیم مصیبت میں مبتلا تھا جسپر دندان مبارک کا شہید ہو جاتا اور رخسار مبارک کا لہو سے رنگین ہو جانا ایک غیر قابل رد گواہ ہے۔ وہ جو شب ہجرت سپر ہو گیا تھا وہی احد کے پر ہول میدان میں بھی سپر تھا جسکو مدیر نظام مراتب خلافت میں سب کے بعد قرار دیتا ہے من کان ناکا ملی العقل فلیبک ومن کان باکیا علی الفہم فلیبک۔

اب جو عقل پر رونا چاہئے وہ روے اور جو فہم کے وفات پر صف ماتم بچھانا چاہے تو رونے کا موقع سامنے ہے یہ ایک موقع تھا جہاں سے عقلی حیثیت سے تقیہ کا وجوب اور اسکا عبادت ہونا ثابت کیا اب اگر علمائے اہلسنت کے تصریحات اور قرآن مجید کے دلائل کو نقل کر دوں تو ارباب فہم کے حس کیلیے اور اسکے وجوب کیلیے ارباب انصاف کے نزدیک کافی ہوگا مدیر سے مجھے اس بات کی کم امید ہے کہ وہ قرآنی استدلال کو تسلیم کرے کیونکہ وہ فقط عدم تحریف کا مدعی ہے لیکن ایمانی منزل میں قرآن کے موافق اسکی رفتار مشتبہ ہے تمہید کلام میں کچھ اقوال علمائے حضرت اہلسنت گزری جنہوں نے کذب صریح کی اجازت دی تھی بلکہ موافقت کے بجائے مخالفت شرع سے مطر بھی تجویز کی تھی۔ اور اُسے واجب بھی بتایا تھا فراجع۔ فی تہذیب الکمال فی معرفۃ الرجال الذی ہو مہذب الکمال فی معرفۃ الرجال

لعبد الغنی المقدسی قال محمد بن موسی الحرسی حدثنا یاسر بن عیینۃ قال حدثنا عطیۃ بن محارب عن

یونس بن عبید قال سألت الحسن قلت یا ابا سعید انک تقول قال رسول اللہ وانک لم تدرکہ قال یا ابن اخی لقد سئلتنی عن شئی ما سألنی عنہ احد قبلک ولولا منزلتک منی ما اخبرتک انی فی زمان کما تری وکان فی عمل الحجاج کل شئی سمعتنی اقولہ قال رسول اللہ ہو عن علی بن ابیطالب غیر انی فی زمان لا استطیع ان اذکر علیا، جناب علامہ مستغنی عن الالقاب والاوصاف جناب مفتی محمد قلی صاحب اعلی اللہ مقامہ نے اپنے رسالہ تقیہ میں فخر الدین دہلوی کی عبارت نقل فرمائی ہے جو اوپر مذکور ہوئی اسمیں مذکور ہے کہ تہذیب کمال میں جو کمال فی معرفۃ الرجال کا مہذب ہے جو عبد الغنی مقدسی کی تصنیف سے ہے یہ روایت مرقوم ہے جسے بسلسلہ مذکور یونس بن عبید سے نقل کیا ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے حسن بصری سے پوچھا کہ اے ابو سعید تمکو میں نے حدیث بیان کرنے میں سنا کہ تم کہتے ہو کہ رسول اللہ نے کہا حالانکہ تم نے عہد جناب رسالتمآب نہیں پایا پھر تم کیونکر حضرت کی طرف قول کو منسوب کرتے ہو حسن نے کہا کہ اے میرے بھتیجے تم نے وہ بات مجھسے پوچھی جو کسی نے ابتک مجھسے نہیں پوچھی تھی اور اگر تمھاری قدر میرے نزدیک نہوتی تو میں ہرگز تمھیں نہ بتاتا میں اس زمانہ میں ہوں جو تمھیں معلوم ہے کہ کیسا زمانہ ہے (اور یہ وقت حجاج بن یوسف کے عمل کا تھا) تم ہر حدیث جو میں رسول اللہ کی طرف منسوب کرتا ہوں اور تم اسے سنو تو تم اسے سمجھنا کہ میں جناب علی بن ابیطالب سے روایت کرتا ہوں مگر چونکہ میں اس زمانہ میں ہوں جس زمانہ میں میں علی کا نام نہیں لے سکتا لہذا انہیں لیتا۔

اس نقل سے صاف روشن و آشکار ہے کہ حسن بصری نہ تنہا تقیہ کا قائل تھا بلکہ وہ تقیہ کا عامل تھا اور اگر وہ اسے واجب نہ سمجھتا تو کبھی کبھی ترک بھی کرتا لیکن اس نے ترک نہیں کیا بلکہ اسکا علامت مقرر کرنا اس تقیہ استمراری کا ثبوت ہے۔ اس روایت میں ایک نکتہ مفیدہ مستور ہے جسے میں چاہتا ہوں کہ ناظرین رسالہ مبارکہ سہیل اور خود مدیر النجم نے اگر اسکا تعصب بے محل اسے ملتفت ہونے دے تو وہ اس اہم مطلب کی طرف التفات فرمائیں یہ حجاج کا زمانہ حکومت تھا جس میں حسن بصری مبتلائے بلائے تقیہ تھے اور یہ سلطنت عبد الملک کا دور تھا اور عبد الملک وہ شخص تھا جسکے متعلق سراج الملوک میں ابوبکر بن محمد بن الولید نے لکھا ہے سعود وری عن

عبد الملک بن مروان انہ لما ولی الخلافۃ اخذ المصحف فوضعہ فی حجرہ ثم قال ہذا فراق

بینی وبینک،، یعنے عبد الملک بن مروان سے اس امر کی روایت کی گئی ہے کہ جب عبد الملک کی نوبت خلافت پہونچی تو اسنے قرآن کو لیکر اپنی گود میں رکھا پھر قرآن سے مخاطب ہوکر کہا کہ اب میرے تیرے جدائی کا وقت آگیا، سراج الملوک صفحہ ۳۹ مطبوعہ مصر۔

ذرا خلافت کی عظمت دیکھو اسکا وقار اسلامی افق میں اس حد تک پہونچ گیا تھا کہ خلفائے جو اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ خلافت قرآن کی حکومت سے آزاد ہے اور خلیفہ کے لیے قرآن نہیں اترا اور نہ وہ اسکا محکوم ہو سکتا ہے یہ سلسلہ فہم عبد الملک تک وراثتاً یا رداثۃً پہونچا ہوگا بہر حال وہ خلافت کے وقت قرآن کو وداع کر رہا ہے اور پھر مسلمان ہے یہ ایک علامہ مالکی کا قول تھا جو مینے نقل کر دیا اگر میں اس مذاق کو لیکر آگے بڑھوں گا تو لوگوں کے چشم وابرو پر بل پڑنے لگیں گے اور لطف سخن میں فرق آجائیگا۔ بہر حال عبد الملک کا وزرا و حجاج کی گورنری نیم پر کریلے کی بیل تھی اسکی شیرینی کا کیا کہنا حجاج اپنے ظلم وستم میں عبد الملک کا آئینہ صورت نما تھا بس اتنا ہی اسکے وصف کے لیے کافی ہے کہ امیر المومنین علی بن ابیطالبؑ کا ذکر خیر محبت نہیں وہ گناہ غیر مغفور تھا جو بغیر جان لیے انسان کو چھوڑتا ہی نہ تھا پھر اسکے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی خیال میں رہے کہ جب قرآن چھوڑ دیا جائے تو قرآن کے ساتھی سے اتصال کیونکر گوارا کیا جائے واقعاً قرآن مجید عجیب آیت روشن ہے جس نے کسی چیز کو بغیر ذکر چھوڑا نہیں چنانچہ مفارقت قرآن کا بھی تذکرہ موجود ہے اور کس انداز سے اسلیے میں اپنے غیبی خبر کو اس نقل سے متصل کر کے ثبوت رسالتمآب پر قرآن کی روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ پارہ نوزدہم رکوع اول سورۂ فرقان میں ہے۔ ویوم یعض الظالم علی یدیہ یقول یلیتنی تخذت مع الرسول سبیلا

یویلتیٰ لیتنی لم اتخذ فلانا خلیلا لقد اضلنی عن الذکر بعد اذ جائنی وکان الشیطان للانسان خذولا

وقال الرسول یارب ان قومی اتخذوا ہذا القران مھجورا وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا من المجرمین

وکفی بربک ہادیا ونصیرا (یعنے یہ اسدن کا قصہ ہے جو کافروں پر سخت دن ہوگا) اور اسدن ظالم اپنے ہاتھوں کو یہ کہتا ہوا کاٹنے لگیگا کہ کاش میں پیغمبر والا راستہ اختیار کرتا ہائے افسوس کاش میں فلاں شخص کو اپنا دوست نہ قرار دیتا اسنے تو مجھے گمراہ کر دیا ذکر سے بعد اسکے کہ وہ میرے پاس آیا اور

ؔ یہاں لا انمال عدوا لاظالمین کے ٹکڑے کو ملا کر دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ان دو ٹکڑوں میں چاندنی نکل آئی ہو منہ

شیطان یوں ہی انسان کو (ناکامیاب) چھوڑ دیتا ہے اور رسول یہ کہیگا کہ اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا یوں ہی ہمنے ہر پیغمبر کیلیے مجرموں میں سے دشمن قرار دیا ہے اور تیرا رب ہدایت اور مدد کرنیکے لیے کافی ہے) یہ قرآن کے چھوڑ دینے کی شکایت پیشگاہ باری میں پیش ہونا عبد الملک کے خلافت سے بہت پہلے قرآن میں نازل ہو چکا لیکن لوگ اسکو مجاز بلا حقیقت سمجھا کیے مگر اب امید ہے کہ اس نقل کے بعد یہ بالکل حقیقی بات سمجھی جائے۔

مختصر یہ ہے کہ اس قسم کے دور میں اگر علی کی دشمنی ایسی واجب سمجھی جائے جیسا کہ حسن بصری کے کلام میں اس کا پتا ملتا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ وہ دشمنی قرآن کا زمانہ تھا پھر جب نام لینے کی وجہ سے اور لوگوں سے دشمنی ہو جاتی ہو اور انکو تقیہ کرنا پڑتا ہو تو بتائے کہ خاص اولاد امیر المومنین پر کیسا برا وقت ہوگا اور انکو کس قدر تقیہ کی ضرورت ہوتی ہوگی لیکن مدیر النجم تقیہ کے نام سے خفا ہوتا ہے اسکی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ نقل تقیہ داستان جور خلفا کو دوہرا دیتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ یہ قصے دفن ہو جائیں مگر ہم اور ہمارے دشمن جب دونوں ان قصوں پر متفق ہوں تو یہ باتیں کیونکر مخفی ہو سکتی ہیں۔

امیر المومنین کی ایک بین فضیلت

روایت حسن بصری سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بجائے امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام نام نامی رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ لیا کرتا تھا ہمنے مانا کہ تقیہ اسے امیر المومنین کا نام لینے کی اجازت نہ دیتا تھا خیر وہ نام نہ لیتا لیکن بجائے جناب رسالتمآبؐ وہ کسی اور شخص کا نام لے سکتا تھا جس سے وہ پیغمبر پر افترا کرنے سے بچ جاتا اگر کوئی شخص حسن بصری کے اس فعل میں غور کرے تو اسے اس تبدیلی اسم میں نہایت حسن وخوبی نظر آئیگی اور جس قدر اس حسن تغیر میں حسن نظر آئیگا اتنا ہی فضیلت امیر المومنین سے حجاب اٹھتا جائیگا بات یہ تھی کہ حسن بصری کو قول امیر المومنین پر اتنا ہی وثوق تھا جسقدر پیغمبر کے زبان کی کہی ہوئی بات پر ہو سکتا تھا لہذا آپ سے کسی بات کے سننے کو وہ ایسا ہی سمجھتا تھا جیسا کہ اسنے خود رسول اللہ سے سنا اور یوں وہ ایک کے نام کی جگہ دوسرے کا نام لے آتا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بصری بھی آپ کو معصوم اور منزل منزلۃ الرسول سمجھتا تھا جیسا کہ تمام فرقہ معتزلہ کا یہی خیال ہے جسکی

تصریح اپنی کتاب میں جا بجا ابن ابی الحدید معتزلی نے کی ہے۔ بہر حال حسن بصری کو اہلسنت پیشرو سمجھتے ہیں اور غالباً مولوی عبد الشکور صاحب بھی اسے مذموم نہ سمجھتے ہوں گے۔ وہ تقیہ کرتا تھا اور برسوں اس نے اس تقیہ میں اپنی زندگی بسر کی۔

امام غزالی کا فتویٰ

کتاب احیاء العلوم میں ہے من تبع ولیا من اولیاء اللہ لیقتله وقد اختفی منہ فی موضع حریز اذا سئل الظالم عن محلہ لم یجز تبلیغہ بل وجب الکذب فیہ محصل ترجمہ یہ ہوا کہ اگر کوئی ظالم کسی خدا کے دوست کا اسلئے تعاقب کرے کہ وہ اسے قتل کر دے اور وہ خدا کا دوست کہیں محفوظ مقام میں چھپ رہے اور اسکا پتا کسی کو معلوم ہو تو اسے ہرگز اسکا پتا نہ بتانا چاہیے بلکہ اس میں جھوٹ بولنا واجب ہے۔

افسوس ہے کہ صاحب احیا نے بھی جھوٹ کو واجب کہا جو مولوی عبد الشکور صاحب کی چڑھ ہے وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ انکے دلکی ٹھنڈک اسی میں ہے کہ تمام اولیاء اللہ قتل ہو جائیں بزم دنیا کے بارونق ہونے کیلئے صرف دھیلے ٹکلا ہوں کا وجود کافی ہے۔

امام زہری کا قول

تلویح حاشیہ توضیح میں ہے قال الامام الزہری ان فعل المکرہ مباح کالقتل والزنا وفرض کشرب الخمر واکل المیتہ ورخص لہ کاجراء کلمۃ الکفر والافطار واتلاف مال الغیر۔

وہ فرماتے ہیں کہ مجبوری کا کام کئی طرح ہوتا ہے کبھی تو وہ مباح ہوتا ہے جیسے قتل اور زنا اور کبھی واجب ہوتا ہے جیسے شراب کا پینا اور مردار کا کھانا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اسے (مجبور کو) اجازت دیدی جاتی ہے کہ وہ اس کام کو کرے جیسے کلمۂ کفر کا زبان پر جاری کرنا یا روزہ واجبہ افطار کرنا یا مال غیر کا تلف کر دینا۔

لیجئے آپ جھوٹ ہی کو رو رہے تھے وہاں قتل وزنا مجبور کے لیے جائز اور شراب خمر واجب اور کلمہ کفر کا جاری کرنا مرخص ہو گیا۔

امام فخر الدین رازی کی رائے

تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی میں ہے التقیۃ جائزۃ لصون النفس وھل یجوز لصون المال یحتمل ان یحکم

فرماتے ہیں کہ تقیہ تو جان بچانے کیلئے عزوری ہی جائز ہی رہگیا یہ امر کہ مال کے بچانے کیلئے بھی تقیہ جائز ہے یا نہیں اسکے

الحکم فیہا بالجواز لقولہ علیہ السلام حرمۃ مال المسلم کحرمۃ دمہ ولقولہ علیہ الصلوۃ والسلام من قتل دون مالہ فہو شہید ولان الحاجۃ الی المال شدیدۃ والماء ان بیع بالغبن سقط فرض الوضوء وجاز الاقتصار علی التیمم دفعا لذلک القدر من نقصان المال فکیف لایجوز ہہنا۔

جائز ہونے کا بھی احتمال ہے کیونکہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مال مسلم ویسا ہی محترم ہے جس طرح اسکی جان محترم ہے اور اسلئے بھی کہ حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے اور اسلئے بھی کہ مال کی جانب احتیاج نہایت شدید ہے اور پانی اگر زیادہ قیمت کو بکے یا بیچنے کو خریدنے والا مغبون کہا جائے تو وضو واجب ساقط ہو جائیگا اور صرف تیمم پر اقتصار جائز ہوگا اسلئے کہ نقصان مال نہ ہو تو پھر کیونکر مال بچانے کے لئے تقیہ جائز نہ ہوگا۔

نیز اسی تفسیر کبیر میں ہے۔ روی عوف عن الحسن انہ قال التقیۃ جائزۃ للمؤمنین الی یوم القیامۃ وہذا القول اولی لان دفع الضرر عن النفس واجب بقدر الامکان

یعنی عوف نے حسن بصری سے روایت کی ہے وہ کہتا تھا کہ تقیہ مومنین کیلئے روز قیامت تک جائز ہے امام فخر الدین رازی اس قول کو نقل کرکے فرماتے ہیں کہ یہ قول اولیٰ ہے اسلئے کہ نفس سے بقدر امکان ضرر کا دفع کرنا واجب ہے۔

تنبیہ یہ بات ناظرین کو معلوم رہے کہ احکام تکلیفی مباح و مکروہ و مستحب و واجب و حرام میں اس تقسیم میں مباح مقابل واجب ہے اور کبھی واجب کے ساتھ جمع نہ ہوگا اور ایک وہ اباحت یعنی جواز ہے جو مباح اور مستحب اور واجب کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے وہ ان احکام کا مقابل نہیں بلکہ وہ ان تینوں چاروں میں معنائے مشترک ہیں چونکہ امام فخر الدین رازی نے پہلے قول میں بیان کیا ہے کہ تقیہ جان بچانے کیلئے جائز ہے اور نقل قول حسن بصری کے بعد انہوں نے وہ دلیل بیان کی ہے جو تقیہ کو واجب کرتی ہے اسلئے پہلے قول میں بھی انکے جائز سے واجب ہی مراد ہو سکتی ہے۔

ابن حجر کا مقولہ تقیہ کے بارے میں

فتح الباری میں فرمایا ہے۔ قد اجمع الفقہاء علی وجوب طاعۃ السلطان المتغلب والجہاد

یعنی فقہائے اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ سلطان ظالم کی اطاعت واجب ہے یونہی اسکے ساتھ جہاد کرنا واجب ہے اور اسکی اطاعت

معه وان طاعته خیر من الخروج علیه لما فی ذلک من حقن الدماء وتسکین الدهماء۔

اُس پر خروج کرنے سے بہتر ہے کیونکہ اس اطاعت و فرمانبرداری میں جانوں کی حفاظت اور خونریزی کا انسداد ہے اور عوام کی تسکین ہے۔

ان کلمات سے صاف روشن و آشکار ہے کہ تقیہ کا وجوب اجماعی ہے بلکہ مجھے اگر انصاف پوچھو تو ہم بلا تامل کہہ سکتے ہیں کہ یہ اجماع اس اجماع سے کہیں زیادہ قوی ہے جو حضرت ابوبکر کے خلیفہ ہونے پر بقول شخصے منعقد ہوا تھا افسوس ہے کہ ہمارے مخاطب مولوی عبد الشکور صاحب کا انکار اس اجماع قوی کے مقابلہ میں ہے لیکن اس اجماع ضعیف پر ایمان قائم ہے۔

صحابہ و تابعین نے تقیہ کیا

تہذیب الکمال میں ہے۔ قال الاعمش عن عبد الملک بن میسرة عن النزال بن سبرة قال کنا مع حذیفة فقال له عثمان یا ابا عبد الله ما هذا الذی یبلغنی عنک قال ما قلته قال عثمان انت اصدقهم وابرهم فلما خرج قلت یا ابا عبد الله الم تقل ما قلته قال بلے ولکنی اشتری دینی ببعضه مخافة ان یذهب کله انتہی۔

اعمش نے سلسلۂ مذکورہ سے روایت کی ہے کہ ہم حذیفہ کے ساتھ تھے عثمان نے حذیفہ سے کہا کہ اے ابو عبد اللہ یہ کیا خبریں تمہارے متعلق مجھے پہونچتی ہیں حذیفہ نے کہا کہ میں نے تو ان باتوں کو نہیں کہا عثمان نے کہا کہ تم ان سے زیادہ سچے ہو اور زیادہ سچے ہو اور زیادہ حقوق کا خیال کرنے والے ہو جب عثمان وہاں سے چلے گئے تو میں نے (راوی کلام) حذیفہ سے کہا کہ کیا تم نے یہ باتیں نہیں کہیں تھیں حذیفہ نے کہا کہ کہیں کیوں نہ تھیں لیکن میں اپنی دین کے بعض حصے سے بعض کو خریدتا ہوں اس ڈر سے کہ کہیں کل نہ جاتا رہے۔

ابن عباس نے تقیہ کیا

فرائض شریفی میں ہے اول من حکم بالعول عمر فانه وقع فی عهده صورة ضاق فرجها عن فروضها فشاور الصحابة فیها فاشار العباس الی العول فقال اعیلوا الفرائض فتابعوه علی ذلک ولم ینکره

یعنی پہلا وہ شخص جس نے عول کا حکم دیا وہ حضرت عمر تھے انکے عہد میں ایک ایسا مسئلہ پیش ہوا تھا جس میں تمام سہام نکل نہ سکتے تھے عمر نے صحابہ سے مشورہ کیا تو عباس نے عول (نقصان) کا اشارہ کیا عمر نے اسکے صواب دید پر حکم عول دیا یعنی تمام صاحبان میراث پر نقصان ڈالا جائے لوگوں نے اسی حکم کی پیروی کی اور کسی نے

احد الا ابنه بعد موته فقیل له هلا انکرت فی زمن عمر قال هبته وکان مهیبا الی ان قال هلا یجتمعون حتی نجتهل فنجعل لعنة الله علی الکاذبین ان الذی احصی رمل عالج عددا لم یجعل فی مال نصفین وثلثا انتہی

بھی اس سے انکار نہ کیا لیکن جب عمر نے انتقال کیا تو عباس کے بیٹے نے یعنی ابن عباس نے اس سے انکار کیا لوگوں نے کہا کہ عمر کے زمانہ میں کیوں نہ انکار کیا کہا مجھے اُن سے خوف معلوم ہوا اور وہ ایک مہیب آدمی تھے تو بحث حق اس نزاع میں یہاں تک پہونچی کہ ابن عباس نے کہا کہ اچھا ہمارے مخالفین کیوں نہیں جمع ہوتے تاکہ ہم مباہلہ کرکے خدا کی لعنت جھوٹے پر قرار دیں یقیناً وہ شخص جسکو رمل عالج کا شمار معلوم ہے اس نے کسی مال میں دو نصف اور ایک ثلث نہیں قرار دیا اصاف ہے کہ دو نصف کا میں مال پورا ہو جائیگا اب یہ ثلث کہاں سے آئیگا۔

اور کتاب التحقیق شرح مختصر ابی محمد الاخسیکثی میں اسباب کے بیان میں کہ اجماع سکوت سے ثابت نہیں ہوتا مرقوم ہے۔

وداود الظاهری وبعض المعتزلة تمسکوا فی ذلک بان السکوت قد یکون للمهابة والتقیة کما قیل لابن عباس لا اظهرت قولک فی العول وقد کان ینکره هلا قلت هذا فی زمن عمر وانه کان یقول بالعول فقال کان رجلا مهیبا فهبته وفی روایة منعنی من ذلک درته۔

یعنی داؤد ظاہری اور بعض معتزلہ نے اس مطلب پر کہ اجماع سکوت سے ثابت نہیں ہوتا اسبات سے تمسک کیا ہے کہ سکوت کبھی ہیبت اور تقیہ کے وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ جب ابن عباس نے عول کا انکار کیا ہے تو ان سے لوگوں نے کہا کہ اس قول کو عمر کے وقت میں کیوں نہ ظاہر کیا کیونکہ وہ عول کے قائل تھے ابن عباس نے کہا کہ میں انہیں ڈرا اور وہ ایک مہیب آدمی تھے اور بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھے اس قول کے ظاہر کرنے سے انکے درے نے روکا۔

ایک دوسرا قول

کنز العمال مکافی میں ہے عن نافع ان رجلا سئل ابن عمر عن متعة النساء فقال هو حرام فقال له ابن عباس تفتی بها

نافع سے منقول ہے کہ ایک شخص نے ابن عمر سے متعہ کے متعلق پوچھا انھوں نے جواب میں کہا کہ حرام ہے اس سائل نے کہا کہ ابن عباس تو اسکے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں ابن عمر نے کہا کہ ابن عباس نے عمر کے زمانہ

فقال ابن عمر الا ترحم جا ابن عباس فی زمن عمر لوا خذ فیہا احد لرجمہ انتہی۔

میں یہ فتویٰ کیوں نہ دیا اگر کوئی عمر کے زمانہ میں ایسا کرتا تو وہ اُسے سنگسار کر دیتے ابن عمر کے قول سے کہ اس زمانہ میں وہ سنگسار کر دیتے اور ابن عباس کے فتویٰ نہ دینے سے صاف ظاہر ہے کہ ہیبت اور تقیہ نے ابن عباس کو روکا۔

اور جب ابن عباس ایسے لوگ مخالفت سے خوف کرتے تھے تو اوروں کا حال بھی اس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ یہیں سے امام فخر الدین رازی کے قول کی کمزوری معلوم ہوتی ہے جو انہوں نے تفسیر کبیر میں بحث متعہ میں کہا ہے کہ حضرت عمر نے متعہ کو حرام کہا اگر وہ جائز ہوتا اور پھر وہ حرام کرتے تو یا کفر عمر لازم آتا یا کفر صحابہ کفر صحابہ اسلئے کہ انہوں نے اس حرام کرنے کی مخالفت نہیں کی۔ شق اول کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن شق دوم میں صحابہ کے سکوت کا عذر درہ کو دیکھتے ہوئے صاف واضح و آشکار ہے کیونکہ جب ہیبت تھی اور درہ کا ڈر تھا تو کفر کاہے کو لازم آئیگا۔

ابن عمر نے تقیہ کیا

مشکوۃ میں ہے عن ابن عمر قال صلی رسول اللہ بمنی رکعتین وابوبکر بعدہ وعمر بعد ابی بکر وعثمن صدرا من خلافتہ ثم ان عثمن صلی بعد اربعا فکان ابن عمر اذا صلی مع الامام صلی اربعا واذا صلاہا وحدہ صلی رکعتین متفق علیہ۔

یعنی ابن عمر سے روایت کی گئی ہے وہ کہتے تھے کہ رسول نے منی میں دو رکعتیں نماز کی پڑھی ہیں پیغمبر کے بعد ابوبکر نے بھی ایسا ہی کیا اور ابوبکر کے بعد عمر نے بھی ایسا ہی کیا لیکن جب عثمان کا دور ہوا تو شروع خلافت میں انھوں نے بھی ایسا ہی کیا لیکن بعد میں انھوں نے دو رکعتیں اور بڑھا کر چار رکعتیں پڑھیں ابن عمر جب امام کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو چار پڑھتے تھے اور جب منفرد ہو کر پڑھتے تھے تو دو پڑھتے تھے یہ وہ روایت ہے جس پر بخاری اور مسلم دونوں نے اتفاق کیا ہے۔

ابن مسعود نے تقیہ کیا

ازالۃ الخفا میں ہے صلی ابن مسعود بمنی مع عثمن

یعنی ابن مسعود نے منی میں عثمان کے ساتھ چار رکعتیں نماز پڑھی ہیں

اربعا فقیل لہ الم تحدثنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی رکعتین وابابکر وعمر فقال بلے ولکن عثمن امام لوا خالف والخلاف شر۔

لوگوں نے اُن سے کہا کہ تم ہم سے بیان کرتے ہو کہ پیغمبر نے دو رکعتیں پڑھی ہیں اور ابوبکر و عمر نے دو رکعتیں پڑھی ہیں اور تم نے عثمان کے ساتھ چار رکعتیں پڑھی ہیں ابن مسعود نے کہا کہ ہاں سب کچھ سچ ہے مگر عثمان اس وقت خلیفہ ہیں کیا میں انکی مخالفت کروں حالانکہ مخالفت میں بدی ہے۔

اب آپ ہی ملاحظہ فرمائیں کہ عثمن بجائے قصر اتمام کر رہے ہیں جو بالکل قول و فعل رسول کے خلاف ہے اور ابن مسعود مخالفت نہیں کر سکتے اسیکا نام تقیہ ہے جس طرح تقیہ ثابت ہے ویسی ہی جرأت خلفا پر روشنی پڑتی ہے۔

راوی حدیث رسول نے تقیہ کیا

حدیث ان آل ابی فلاں لیسوا لی باولیاء کی شرح میں نووی نے لکھا ہے وہذہ الکنایۃ بقولہ یعنی فلانا من بعض الرواۃ خشی ان یسمیہ فترتب علیہ مفسدۃ او فتنۃ اما فی حق نفسہ واما فی حق غیرہ فکنی عنہ۔

یعنی ابی فلاں حدیث پیغمبر میں تنہا بلکہ وہاں تصریح تھی راوی نے اسبات سے خوف کیا کہ نام لینے میں کوئی فتنہ و فساد نہ برپا ہو جائے وہ راوی کے حق میں ہو یا اسکی غیر کیلئے ہو۔ بہر حال اس خوف سے اس نے فلاں کی لفظ کنایۃً ذکر کیا

ابراہیم نخعی نے تقیہ کیا

صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے۔ ابراہیم النخعی کان یتکلم عند وقت الخطبۃ فقیل لہ فی ذلک فقال انی صلیت الظہر فی داری ثم رحت الی المسجد تقیۃ

یعنی ابراہیم نخعی خطبہ کے وقت باتیں کیا کرتے تھے لوگوں نے اس کا تعرض کیا کہا کہ میں ظہر گھر پر پڑھ چکا ہوں تقیہ کی وجہ سے میں مسجد میں چلا آیا۔

زرارۃ ابن اوفی الحرشی نے تقیہ کیا

طبقات ابن سعد میں ہے قال اخبرنا عارم بن الفضل قال حدثنا حماد بن زید قال حدثنا ہشام بن حسان عن عائشۃ بنت ضمرۃ ان زرارۃ بن اوفی کان یصلی فی منزلہ الظہر والعصر ثم یاتی الحجاج للجمعۃ۔ بسند مذکور روایت ہے کہ زرارۃ بن اوفی اپنے گھر میں نماز ظہر و عصر پڑھکر حجاج کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنے آتے تھے۔ یہ وہ شخص تھا جس کے متعلق طبقات میں ہے۔ اخبرنا اسحق بن ابی اسرائیل قال حدثنا عتاب المثنی القشیری عن بہز بن حکیم ان زرارۃ بن اوفی

اسمہم الفجر فی سجد بنی قشیر فقرا حتی اذا بلغ فاذا نقر فی الناقور فذلک یومئذ یوم عسیر علی الکافرین غیر یسیر خر میتا قال بہز فکنت فیمن حملہ یعنی ایکدن صبح کی نماز مسجد بنی قشیر میں انہوں نے امامت کی قرائت کرتے کرتے اس آیۂ غضب پر جب پہونچے فاذا نقر فی الناقور فذلک یومئذ یوم عسیر علی الکافرین غیر یسیر تو مر کے گر پڑے بہز بیان کرتا ہے کہ انکو اٹھا کر لانیوالوں میں میں بھی تھا۔

عبد اللہ بن عمر کا تقیہ

صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے۔

قال دخلت علی حفصۃ و نسواتہا تنطف قلت قد کان من امر الناس ما ترین فلم یجعل لی من الامر شئ فقالت الحق لہم فانہم ینتظرونک و اخشی ان یکون فی احتباسک منہم فرقۃ فلم تدعہ حتی ذہب فلما تفرق الناس خطب معویۃ قال من کان یرید ان یتکلم فی ہذا الامر فلیطلع لنا قرنہ فنحن احق بہ منہ و من ابیہ قال حبیب بن مسلمۃ فہلا اجبتہ قال عبد اللہ فحللت حبوتی و ہممت ان اقول احق بہذا الامر منک من قاتلک و اباک علی الاسلام فخشیت ان اقول کلمۃ تفرق بین الجمع و تسفک الدم و تحمل علی غیر ذلک فذکرت ما اعد اللہ فی الجنان قال حبیب

ابن عمر کہتے ہیں کہ میں حفصہ کے پاس گیا اور آنکا یکہ انکے گیسوؤں سے پانی ٹپک رہا تھا میں نے کہا جو کچھ لوگوں کا حال ہے وہ تو تمنے دیکھ لیا خلافت میں سے کوئی حصہ میرا نہ قرار دیا گیا حفصہ نے جواب دیا کہ لوگوں کے پاس جاؤ وہ تمہارے انتظار میں ہیں اور مجھے اس بات کا خوف ہے کہ کہیں تمہارے بیٹھ رہنے سے کوئی افتراق اور پھوٹ نہ پیدا ہو حفصہ برابر جانے پر اصرار کرتی رہیں یہانتک کہ عبد اللہ بن عمر وہاں گئے جب لوگ متفرق ہوئے تو معویہ نے خطبہ پڑھا اور کہا کہ جس شخص کا ارادہ کچھ میرے معاملہ خلافت میں ہونے کا ہو تو وہ ہمارے سامنے اپنا سر بلند کرے کیونکہ ہم اس سے بھی زیادہ مستحق ہیں اور اسکے باپ سے بھی زیادہ مستحق ہیں (اس سے اسکی مراد عبد اللہ بن عمر اور خود عمر تھے) حبیب ابن مسلمہ نے کہا کہ پھر تمنے معویہ کو جواب کیوں نہ دیا عبد اللہ نے کہا کہ میں نے تو اپنی جان سے ہاتھ دھوکر قصد کیا تھا کہ کہوں کہ تجھسے زیادہ

حفظت و عصمت ۔

مستحق خلافت وہ تھا جس نے تجھے اور تیرے باپ سے اسلام پر جنگ کی (اس سے انکی مراد علی بن ابیطالب تھے) عبد اللہ کا بیان ہے کہ میں ڈر گیا کہ ایسا نہو اس کلمہ سے آپس میں پھوٹ پیدا ہو جائے اور خونریزی کا سبب ہو اور ایسا نہو کہ جو میری مراد ہے اسکے علاوہ لوگ مراد لے لیں تو میں نے ان چیزوں کا تذکرہ کیا جنکو خدا نے جنت میں مہیا کر رکھا ہے یعنی خیر اگر یہاں نہ سہی تو وہاں سہی حبیب بن مسلمہ نے کہا تم بچ گئے اور محفوظ رہے۔

قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں بیان کیا ہے

لعل معویۃ کان رایہ تقدیم الفاضل فی القوۃ والمعرفۃ والرای علی الفاضل فی السبق الی الاسلام و الدین فلذا اطلق انہ احق و رای ابن عمر خلاف ذلک و انہ لا یبایع المفضول الا اذا خشی الفتنۃ

یعنی معویہ نے جو اپنی ذات کو خلافت کا مستحق بتایا تو غالباً اسکا خیال یہ تھا وہ شخص خلیفہ ہونا چاہیے جو قوت اور معرفت اور رائے میں زیادہ ہو اسکو اس شخص پر جو اسلام و دین کے جانب سابق ہو فضیلت ہے جبھی تو اس نے اپنے کو احق بتایا اور ابن عمر کی رائے اسکے خلاف تھی اور وہ مفضول کی بیعت اسی وقت کر سکتے تھے جب فتنہ کا خوف ہو ورنہ نہیں۔ اسکا مطلب یہی ہوا کہ تقیہ کی وجہ سے وہ بیعت کر سکتے تھے۔

حسن بصری نے تقیہ کیا

طبقات ابن سعد میں ہے قیل لابن الاشعث ان سرک ان یقتلوا حولک کما قتلوا حول جمل عائشۃ فاخرج الحسن فارسل الیہ فاکرہہ۔

لوگوں نے ابن اشعث سے کہا کہ اگر تو اس بات پر خوش ہو کہ تیرے گرد بھی لوگ یونہی قتل ہوں جیسا کہ عائشہ کے اونٹ کے گرد قتل ہوئے تو حسن بصری کو نکالو ابن اشعث نے کسی کو انکے پاس بھیجا اور مجبور کیا

احیاء العلوم غزالی میں ہے۔ یروی عن ابن عائشۃ ان الحجاج دعی بفقہاء البصرۃ و فقہاء الکوفۃ قال دخلنا علیہ و دخل الحسن البصری آخر

یعنی ابن عائشہ سے روایت ہے کہ حجاج نے فقہائے بصرہ و کوفہ کو بلایا ہم سب اسکے پاس پہونچے اور آخر میں حسن بصری بھی پہونچے حجاج نے انکو دیکھکر مرحبا کہا اور ایک کرسی منگوائی جو حجاج کے

من اخر من دخل فقال الحجاج مرحبا بابی سعید الی الی ثم دعا بکرسی فوضع الی جنب سریره فقعد علیه فجعل الحجاج یذاکرنا و یسئلنا اذ ذکر علی بن ابیطالب فنال منه و نلنا منه مقاربة له وفرقا من شره ۔

تخت کے پہلو میں بچھا دی گئی اس پر حسن بصری کو بٹھایا گیا پھر حجاج نے ہم سے باتیں کرنا شروع کیں اور ہم سے سوال کرنا شروع کیا کہ اتنے میں امیرالمومنین علی بن ابیطالب کا کچھ ذکر آ گیا حجاج ملعون نے آپ کی مذمت کرنا شروع کی اور ہم نے بھی اوسکی نفرت کیلیے اور اوس کے شر سے بچنے کے لیے ہاں میں ہاں ملائی۔

محمد بن سیرین و شعبی نے تقیہ کیا

وفیات الاعیان میں ابن خلکان نے بیان کیا ہے۔ لما ولی عمر بن ہبیرة الفزاری العراقین واضیفت الیہ خراسان ایام یزید بن عبد الملک ستدعی الحسن بن ابی الحسن البصری وعامر بن شرحبیل الشعبی ومحمد بن سیرین وذلک فی سنة ثلث ومائة فقال لھم ان یزید بن عبد الملک خلیفة اللہ استخلفہ علی عبادہ واخذ میثاقھم بطاعتہ واخذ عھدنا بالسمع والطاعة وقد ولانی ماترون فکتب الی بالامر من امرہ فاقلدہ واتقلدہ من ذلک الامر فقال ابن سیرین والشعبی قولا فیہ تقیة

یعنی جبوقت عمر بن ہبیرہ والی عراقین بصرہ و کوفہ ہوا اور ان کے ساتھ خراسان بھی ملحق ہوا اور یہ اسوقت جب یزید بن عبد الملک خلیفہ مقرر ہوا تھا تو اس نے حسن بصری اور عامر بن شرحبیل شعبی اور محمد بن سیرین کو بلایا اور یہ واقعہ ۱۰۳ھ کا ہے اور ان لوگوں سے عمر بن ہبیرہ نے یوں باتیں شروع کیں کہ یزید بن عبد الملک خدا کا خلیفہ ہے جسکو خدا نے اپنے بندوں پر خلیفہ بنایا ہے اور ان سے اسکی اطاعت کا عہد و پیمان لیا ہے اور ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم اسکے ہر حکم کو سنیں اور اسکی اطاعت کریں اس نے مجھے ان ممالک کا والی مقرر کیا ہے اور اس نے مجھے اپنی بعض امور سے بذریعہ کتابت مطلع کیا ہے آخر تو ابن سیرین و شعبی نے ان باتوں کا جواب تقیہ میں دیا۔

ایک بڑے گروہ نے تقیہ کیا

فتح الباری میں ہے۔ اول من زخرف المساجد الولید بن عبد الملک بن مروان وذلک فی اواخر عھد الصحابة وسکت کثیر من اھل العلم عن انکار ذلک

یعنی پہلا وہ شخص جس نے مسجدوں کو منقش کیا ولید بن عبد الملک بن مروان تھا اور یہ واقعہ آخر عہد صحابہ میں ہوا اور بہت سے اہل علم نے انکے انکار سے

خوفا من الفتنة ۔

سکوت کیا کیونکہ ان کو فتنہ کا خوف تھا۔

ابوذر کو تقیہ کا حکم

مشکوٰۃ میں ہے۔ عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف انت اذا کانت علیک امراء یمیتون الصلوٰۃ او یوخرونھا عن وقتھا قلت فما تامرنی قال صلی اللہ علیہ وسلم صل الصلوٰۃ لوقتھا فان ادرکتھا معھم فصل فانھا لک نافلة رواہ مسلم۔

ابوذر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے انھوں نے کہا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیوں ابوذر تمھارا کیا حال ہوگا جب تم پر ایسے امیر ہونگے جو نماز کو مار ڈالیں گے یا اسکو اسکے وقت سے موخر کر دینگے ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے خدمت اقدس میں عرض کیا کہ پھر آپ کیا حکم دیتے ہیں فرمایا کہ تم نماز اپنے وقت پر پڑھ لیا کرنا اور اگر تم انکے ساتھ نماز پاؤ تو پھر انکے ساتھ پڑھ لینا کیونکہ وہ تمھارے لیے نافلہ ہوگی اسکی روایت مسلم نے بھی کی ہے۔

شیخ عبدالحق دہلوی نے اس عبارت کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ گفت ابوذر گفت مرا پیغمبر خدا چگونہ خواہد بود حال تو وچہ خواہی کرد وقتیکہ مسلط خواہند گشت بر تو بادشاہان کہ در مخالفت ایشان اثارہ فتنہ است می میرانند نماز را و رعایت نمیکنند شرائط و آداب آنرا یا پس اندازند نماز را از اوقاتش یعنی از اوقات مختارہ۔ ابوذر میگوید من گفتم کہ چہ میفرمائی مرا وچہ کنم گفت آنحضرت بگزار نماز را در وقتش پس اگر دریابی نماز را با ایشان نیز بدرستی نماز یکہ ہمراہ ایشان بگزاری نفل خواہد بود برائے تو واز اینجا معلوم میشود کہ اگر امام تاخیر کند در وقت نماز خصوصا کہ بوقت مکروہ اعادہ از دیا موم را باید کہ بگزارد نماز خود را در اول وقت پیشتر گزارد و با امام تا فضیلت وقت و جماعت ہر دو دریابد واین در غیر نماز فجر و عصر و مغرب خواہد بود از جہت کراہت تنفل در ان وقت و عدم مشروعیت تنفل سہ رکعت یا اینکہ ارتکاب این مکروہ اہونست از اثارہ فتنہ و اختلاف کلمہ کہ لازم آید از مخالفت امراء و جابرا نتہی میں شاہ عبدالحق صاحب کے عبارت کا بھی ترجمہ کرتا ہوں تاکہ ناظرین عام طور سے انکی مراد کو بھی سمجھ لیں۔ ابوذر کہتے ہیں کہ مجھ سے پیغمبر نے فرمایا کہ تمھارا کیا حال ہوگا اور تم اسوقت کیا کروگے جب تم پر ایسے بادشاہ مسلط ہونگے جنکی مخالفت میں فتنہ و فساد کے برانگیختہ ہونے کا

خوف ہے وہ نماز کو مار ڈالیں گے اور اسکے شرائط اور آداب کی رعایت نہ کرینگے یا نماز کو انکی اوقات بعد میں ڈال دیں گے یعنی ان وقتوں کے بعد پڑھیں گے جو ان نمازوں کے لیے اختیار کئے گئے ہیں الحاصل ابوذر نے عرض کی کہ آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں ایسے وقت میں کیا کروں آپ نے فرمایا کہ تم نماز کو اسکے وقت میں پڑھنا پس اگر نماز ان لوگوں کے ساتھ بھی ملجائے تو پڑھ لینا کیونکہ جو نماز تم ان لوگوں کے ساتھ پڑھو گے نافلہ ہو گی تمہارے لیے۔ اس جگہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر امام وقت نماز سے تاخیر کرے خصوصاً جبکہ اسے وہ وقت مکروہ میں ڈالدے ماموم کو چاہیے کہ وہ نماز کو اول وقت ادا کرے پھر امام کے ساتھ پڑھے تاکہ وقت کی فضیلت اور جماعت کی فضیلت دونوں حاصل ہو جائیں اور یہ نافلہ ہو جانا غیر نماز فجر و عصر و مغرب میں ہوگا کیونکہ ان اوقات میں نفل مکروہ ہے اور اس لیے بھی کہ تین رکعت کا نافلہ مشروع نہیں ہے پھر کیونکر مغرب کا شمار نافلہ میں ہوگا یا یہ کہ ان مکروہات کا ارتکاب فتنہ کے برانگیختہ کرنے اور باہم پھوٹ واقع ہو جانے سے سہل ہے جو مخالفت امراء جابرہ سے لازم آئیگی۔"

اگر مترجم نافلہ کے لغوی معنے لیتا اور اصطلاحی نہ لیتا یا نافلہ سے مراد ثواب نافلہ مراد لیتا تو یہ تکلفات جو اسے کرنے پڑے وہ نہ درپیش ہوتے۔ بہر حال تقیہ کی ہدایت تو ثابت ہوئی اب چند باتیں اور خیال کرنا چاہیے ایک تو یہ کہ خطاب رسول ابوذر سے ہے اور ابوذر رسالتمآب کے بعد تین ہی بزرگواروں کے ماتحت رہے اسلیے دو حکومتیں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی تھیں اور تیسری حکومت میں انکے جور و ظلم سے ابوذر نے مقام ربذہ میں انتقال کیا اب یہ بات نظر انداز کرنیکے قابل نہیں ہے کہ یہ دستور العمل جو پیغمبر نے جناب ابوذر کے لیے بتایا ہے اور اُن کیلیے لازم العمل بھی تھا وہ کن امرا کے بابت تھا سوائے خلفائے ثلثہ اور کوئی اُن پر مسلط نہیں ہوا تو اب ضرور ہوا کہ وہ ہی خلفائے جابر ہوں اور وہی سلاطین جور ہوں اور انھیں کی یہ صفت ہو کہ نماز کو وہ مار ڈالیں گے یا اسکے وقت سے اسکو موخر کر دینگے اور بعد انکے تعیین کے اور دستور العمل کے معین ہو جانے کے یہی حدیث اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ وہ لوگ جو

جو ابوذر پر مسلط تھی وہ کیسے تھے۔

دوسری بات یہ بھی قابل لحاظ اور نہایت ہی معنی خیز ہے کہ پیغمبر نے فرمایا۔ کیف انت اذا کانت علیک امراء تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے اوپر ایسے امرا مسلط ہوں الخ لفظ امرا فرمایا جس کا ترجمہ عبدالحق صاحب نے "بادشاہان" فرمایا ہے لفظ خلفا نہیں فرمائی اور مذاق قوم کے بنا پر پیغمبر کو خلفا کہنا چاہیے تھا لیکن اگر خلفا فرماتے تو یہ صفات جن کے مذموم ہونے میں کسی عاقل کے نزدیک شبہہ نہیں انکے واسطے نہ ثابت کیجاتیں۔ لہذا یہ بھی ثابت ہوا کہ ابوذر پر مسلط ہونے والے خلفا تھے بلکہ امرا تھے اس سے زیادہ ہمارے اور اہلسنت کے نزاع میں فیصلہ کرنے والی کون چیز ہو سکتی ہے۔ مجھے اُن لوگوں سے سخت تعجب ہوتا ہے جو احادیث کے ترجمہ کرتے ہیں اور اس سے احکام کو مستنبط کرتے ہیں اور مفاد حدیث پر ذرہ برابر غور نہیں کرتے اسی کا نام ہے "طبع" اسی کا نام ہے ختم یعنی ختم اللہ علی قلوبہم الخ۔

پھر ابوذر کیلیے تقیہ کی ہدایت

عن ابی ذر قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ کیف تصنع اذا اخرجت منہ المسجد النبوی قال آتی الشام قال کیف تصنع اذا اخرجت منہا قال اعود الیہ الی المسجد قال کیف تصنع اذا اخرجت منہ قال اضرب بسیفی قال صلی اللہ علیہ وسلم الا ادلک علی ما ہو خیر لک من ذلک واقرب رشدا تسمع وتطیع وتنساق لہم حیث ساقوک۔

حضرت ابوذر سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآب نے ان سے فرمایا کہ ابوذر کیا کرو گے جب تم مسجد نبوی سے نکالے جاؤ گے ابوذر نے کہا کہ میں شام چلا جاؤنگا فرمایا کیا کرو گے جب شام سے بھی نکالے جاؤ گے کہا میں پھر مسجد ہی میں چلا آؤنگا فرمایا کیا کرو گے جب پھر مسجد سے نکالے جاؤ گے کہا کہ میں اپنی تلوار سے اسوقت حملہ کرونگا جناب رسالتمآب نے فرمایا کہ میں تمھیں اس سے بہتر بات بتاؤں جو تمہارے لیے بہتر ہو اور وہ یہ ہے کہ ہر حکم کو سنو اور اسکی اطاعت کرو اور جدہر تمکو وہ لوگ کھینچیں اسی جانب کو کھچ جاؤ۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری)

صاف ظاہر ہے کہ مفسدہ کے خوف سے تقیہ کا حکم دے رہے ہیں اور الفاظ رسول ابوذر کی

مظلومیت کا پتا دے رہے ہیں۔

انبیاء نے تقیہ کیا

صحیح مسلم میں ہے ابوہریرہ سے روایت ہے اس نے کہا کہ پیغمبر نے فرمایا کہ

لم یکذب ابراھیم النبی الا ثلث کذبات ثنتین فی ذات اللہ قولہ انی سقیم وقولہ بل فعلہ کبیرھم ھذا وواحدۃ فی شان سارۃ فانہ قدم ارض جبار ومعہ سارۃ وکانت احسن الناس فقال ان ھذا الجبار ان علم انک امرأتی یغلبنی علیک فان سألک فاخبریہ انک اختی فی الاسلام فانی لا اعلم فی الارض مسلما غیری وغیرک انتہی۔

یعنی معاذ اللہ ابراہیم پیغمبر نے کبھی جھوٹ نہیں کہا مگر صرف تین مرتبہ دو جھوٹ خدا کی ذات کیلیے بولے اور وہ ایک تو انی سقیم تھا اور دوسرا یہ فرمایا کہ بل فعلہ کبیرھم اور تیسرا سارہ کے باب میں کیونکہ جناب ابراہیم ایک بادشاہ جبار کے ملک میں تشریف لائے تھے اور انکے ساتھ جناب سارہ بھی تھیں اور حضرت سارہ جمیل ترین زن تھیں تو آپنے سارہ سے فرمایا کہ یہ ظالم بادشاہ اگر یہ سمجھ لیگا کہ تم میری بی بی ہو تو وہ تم پر بجبر قبضہ کر لیگا اور مجھے مغلوب کریگا تو اگر وہ تم سے یہ پوچھے کہ تم انکی کون ہو تو کہہ دینا کہ میں انکی اسلامی بہن ہوں کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ تمام زمین عالم میں میرے اور تمہارے سوا کوئی اور مسلم ہو۔

اور شارح شفا نے (جیسا کہ سلطان المتکلمین جناب مفتی محمد قلی علیہ الرحمۃ والرضوان نے تحریر فرمایا ہے) جناب سارہ کو بہن کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ قال تقیۃ خشیۃ ان تقتلا یعنی جناب ابراہیم نے یہ قول تقیہ کی سبب سے کہا اس بات کو ڈر کے کہ کہیں وہ جبار حضرت کو قتل نہ کر ڈالے۔

اور نووی شارح مسلم نے وجہ دوم تا ذیل خبر میں یہ عبارت لکھی ہے۔

الوجہ الثانی ولو کان کذبا لا توریۃ فیہا لکان جائزا فی دفع الظالمین وقد اتفق الفقہاء علی انہ لو جاء ظالم یطلب انسانا مختفیا لیقتلہ او یطلب ودیعۃ لانسان لیاخذھا غصبا وسأل عن ذلک وجب علی من علم ذلک اخفاؤہ وانکار العلم وھذا الکذب جائز بل واجب لکونہ فی دفع الظلم عنہ فنبہ النبی صلعم علی ان ھذہ الکذبات لیست داخلۃ فی مطلق الکذب المذموم۔

یعنی وجہ دوم یہ ہے کہ اگر توریہ نہ بھی ہو اور کذب محض بھی ہو تو ظالموں کے دفع کرنے کیلیے جائز ہوگا اور تمام فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی ظالم کسی آدمی کے قتل کرنے کیلیے جسے وہ چھپا ہوا ہو یا کسی انسان کی امانت ڈھونڈھتا ہو تاکہ غصب کرکے

اسے لے لے اور اسکا پتا لگائے اور لوگوں سے پوچھے تو اس شخص پر جسے ایسے آدمی یا ایسی امانت کا علم ہو واجب ہے کہ اسے چھپائے اور کہے کہ مجھے معلوم نہیں اور ایسا جھوٹ جائز ہے بلکہ واجب ہے کیونکہ ظلم کے دفع کرنے کیلیے ہے تو پیغمبر نے بیان کرکے آگاہ کر دیا کہ ایسے جھوٹ جنکا سبب دفع ظلم ہو وہ اس جھوٹ میں داخل نہیں جو مذموم ہو۔

جناب خلیل اللہ کا دوسرا تقیہ

امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس آیت مبارکہ "فلما جن علیہ اللیل رای کوکبا قال ھذا ربی" (جب ابراہیم پر شب تاریک ہوئی اور انھوں نے ستارہ کو دیکھا تو کہا کہ میرا رب ہے) کی تفسیر میں لکھا ہے۔

الوجہ السادس انہ صلی اللہ علیہ وسلم اراد ان یبطل قولہم بربوبیۃ الکواکب الا انہ علیہ السلام کان قد عرف من تقلیدہم لاسلافہم وبعد طباعہم عن قبول الدلائل انہ لو صرح بالدعوۃ الی اللہ لم یقبلوہ ولم یلتفتوا الیہ فمال الی طریق بہ یستدرجہم الی استماع الحجۃ وذلک بان ذکر کلاما یوہم کونہ مساعدا علی مذہبہم بربوبیۃ الکواکب مع ان قلبہ کان مطمئنا بالایمان ومقصودہ من ذلک ان یتمکن من ذکر الدلیل علی ابطالہ وفسادہ وان یقبلوا قولہ وتمام التقریر انہ لما لم

محصل وجہ ششم یہ ہے کہ جناب ابراہیم صلوات اللہ علیہ نے اہل ملک ارادہ کیا کہ کواکب کے ربوبیت کو باطل فرمائیں اور یہی ان لوگوں کے اعتقاد میں تھا مگر چونکہ آنحضرت نے یہ دیکھ لیا تھا کہ وہ اپنے آبا و اجداد کے تقلید میں ہیں اور انکی طبیعتیں دلائل و براہین کے قبول کرنے سے بہت دور ہیں تو آپنے یہ خیال فرمایا کہ اگر میں انکو خدا تعالی کی طرف دعوت دونگا اور اسکو بالتصریح بیان کر دونگا تو ہرگز اسکو قبول نہ کریں گے اور کسی قسم کا التفات نہ کرینگے اس لئے آپنے ایسی کلام کے ذکر کی طرف میل فرمایا جو انکو دلیل کے سننے کی طرف متوجہ کرے اور یہ اس طریقہ سے کہ آپنے ایک ایسا کلام ذکر فرمایا جو اس بات کا خیال دلاتا تھا کہ آپ قوم کے خیالات کی تائید فرما رہے ہیں اور معاذ اللہ ربوبیت کواکب کے معتقد ہیں حالانکہ

يجد الى الدعوة طريقا سوى هذا
الطريق وكان عليه السلام مأمورا
بالدعوة الى الله تعالى كان بمنزلة المكره
عليه كلمة الكفر ومعلوم ان عند الاكراه
يجوز اجراء كلمة الكفر على اللسان
قال الله تعالى الا من اكره وقلبه
مطمئن بالايمان واذا جاز ذكر كلمة
الكفر لمصلحة بقاء شخص واحد فان
يجوز اظهار كلمة الكفر لتخليص عالم
من العقلاء عن الكفر والعقاب
المؤبد كان اولى وايضا المكره على
ترك الصلوة لو صلى حتى قتل استحق
الاجر العظيم ثم اذا جاء وقت القتال
مع الكفار وعلم انه لو اشتغل انهزم
عسكر الاسلام فهنا يجب عليه ترك
الصلوة والاشتغال بالقتال حتى
لو صلى وترك القتال اثم ولو ترك
الصلوة وقاتل استحق الثواب بل
نقول من كان في الصلوة فرأى
طفلا او اعمى اشرف على غرق او حرق
وجب عليه قطع الصلوة لانقاذ ذلك

آپ کا قلب ایمان کے ساتھ مطمئن تھا اور آپ کا مقصود ایسے کلام سے
صرف یہ بات تھی کہ آپ دلیل ابطال ربوبیت کواکب کو ذکر فرما سکیں
اور وہ اسکو قبول کر سکیں۔ اور تقریر تمام یہ ہے کہ چونکہ جناب خلیل الرحمن
کے لیے کوئی اور راستہ دعوت حق کا سوائے اس راستہ کے نہ تھا اور آپ
خدا کی طرف سے دعوت حق پر مامور تھے تو چونکہ اسی طریقہ میں منحصر تھا
تو گویا آپ کلمہ کفر کے کہنے پر مجبور تھے اور یہ بات معلوم ہے کہ مجبور ہونیکے
وقت کلمہ کفر کا زبان پر جاری کرنا جائز ہے خداوند عالم نے خود
استثنا فرما دی ہے الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان یعنی صرف
اس شخص کے لیے اجازت ہے جو مجبور کر دیا گیا ہو اور اسکا دل
ایمان کے ساتھ مطمئن ہو اور جب ایک شخص کے باقی رہنے کیلیے
کلمۂ کفر کا جاری ہونا جائز ہوا تو اگر عاقلوں کے ایک عالم کی نجات
کیلیے کفر و عذاب سے ایسا کلمہ بولا جائے تو یہ بدرجہ اولی جائز
ہوگا اور بھی وہ شخص جو ترک صلوۃ پر مجبور کیا جائے اگر نماز پڑھے
اور اس میں قتل ہو جائے تو اسکے لیے اجر عظیم حاصل ہوگا اور
جب کفار سے جنگ کرنے کا وقت آئے اور اسکو یہ معلوم ہو کہ
اگر میں نماز میں مشغول رہونگا تو اسلام کا لشکر شکست کھا جائیگا
تو اس جگہ اس پر ترک نماز واجب ہوگی اور جہاد دشمن میں بھی
مشغولیت واجب ہوگی اور یہ وجوب اس حد پر ہے کہ اگر
نماز میں مشغول ہو جائے اور ترک قتال کرے تو گنہگار ہوگا
اور ترک نماز کرے اور جہاد دشمن میں مشغول ہو جائے تو مستحق
اجر ہوگا بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جہاد اور انہزام لشکر اسلام کا خوف

الطفل وذلك الاعمى عن ذلك
فكذا ههنا ان ابراهيم عليه السلام
تكلم بهذه الكلمة ليظهر من نفسه موافقة
القوم حتى اذا اورد عليهم الدليل
المبطل لقولهم كان قبولهم
لذلك الدليل اتم وانتفاعهم به
اكمل ومما يقوي هذا الوجه انه
تعالى حكى عنه مثل هذا الطريق في
موضع آخر وهو قوله فنظر نظرة
في النجوم فقال اني سقيم فتولوا
عنه مدبرين وذلك لانهم كانوا
يستدلون بعلم النجوم على حصول
الحوادث المستقبلة فوافقهم على
هذا الطريق في الظاهر مع انه
كان بريئا في الباطن ومقصوده
ان يتوسل بهذا الطريق على
كسر الاصنام فاذا جازت الموافقة
في الظاهر ههنا مع انه كان بريئا
في الباطن فلم لا يجوز ان
يكون في مسئلتنا كذلك۔

تو اور چیز ہے اگر نماز میں ہو اور کسی لڑکے یا اندھے کو دیکھے کہ وہ
پانی میں غرق ہوا جاتا ہے یا آگ میں جلا جا رہا ہے تو ایسے وقت
پر مصلی پر اس بچہ اور اندھے کے نجات کے لیے نماز کا قطع کر دینا
واجب ہو جائیگا یونہی مقام بحث میں خیال کرو کہ جناب ابراہیم
نے اس کلمہ کے ساتھ تکلم فرمایا کہ قوم پر یہ ظاہر ہو کہ آپ قوم کی موافقت
کر رہے ہیں (ایسی صورت میں قوم کے دلمیں کینہ اور غضب جو مانع
استماع قول ہوتا ہے نہ ہوگا) تو ایسے وقت میں جب دلیل ابطال
قول قوم پر وارد کی جائیگی تو دلیل زیادہ کارگر ہوگی اور فائدہ تمام
دلیل کامل تر ہوگا۔ اور ان چیزوں میں سے جو اس وجہ مذکور کو
قوی کرتے ہیں یہ ہے کہ خداوند عالم نے دوسرے مقام پر بھی اسی طرح کا
استدلال جناب ابراہیم علیہ السلام کی زبانی نقل فرمایا ہے اور وہ
وہاں جہاں ارشاد ہوا ہے کہ فنظر نظرۃ فی النجوم فقال انی سقیم
یعنی ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کو دیکھ کر کہا کہ میں بیمار ہوں
فتولوا عنہ مدبرین جب انہوں نے یہ کہا تو قوم والوں نے انکی طرف سے
پیٹھ پھیر لیا اور چلتے ہوئے۔ اور یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ حوادث
کے وقوع پر علم نجوم سے استدلال کیا کرتے تھے جب جناب ابراہیم
نے انہیں کے مذاق پر تکلم فرمایا (کہ انکو انکے قول کا یقین آ گیا) باوجودیکہ
یہ موافقت جناب ابراہیم ظاہری تھی باطن میں وہ ہرگز نجوم کو
موثر نہیں سمجھتے تھے انکا مقصود یہ تھا کہ وہ لوگ انکو تنہا چھوڑ کر
چلے جائیں تو بتوں کے توڑنے کا راستہ نکلے تو جب اس مقام پر
قوم کی موافقت جائز ہوئی تو ہمارے مسئلہ مبحوث عنہا میں قوم کی

موافقت کیوں نہ جائز ہوگی۔

یہ تمام تقریر فخرالدین رازی کی تقیہ کی تجویز بلکہ وجوب پر دال ہے اور انبیا کے لیے وجوب تقیہ ثابت کرتی ہے وہ بھی کلمہ کفر کے استعمال کے ساتھ۔ تو ہم گروہ شیعہ نہ مرتبہ میں ان سے زائد ہیں نہ کمال نفسانی میں نہ مراتب تقرب الٰہی میں بلکہ لاکھوں درجہ ان سے کم ہیں جب ان کیلیے یہ عیب نہ ہوا حالانکہ انکا دامن عصمت بے داغ تھا تو ہم ایسے امتی لوگوں کیلیے کیا عیب ہوگا بلکہ اس تقیہ کی وجہ سے ہم تابع سنن مرسلین ہوں گے۔ اب جہاں قرآن ہو انبیا کی نظریں ہوں وہاں سعدی کا شعر دروغ اے برادر مگوز نہار کیا کر سکتا ہے حالانکہ میں سعدی کی طرف سے قسم کھانے کو تیار ہوں کہ اس نے یہ مقام تقیہ میں ہرگز نہیں کہا ہے

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن ۔۔۔ کہ جاہا سپر باید انداختن

التماس سورۃ الفاتحہ

سیدہ فاطمہ رضوی بنت سید حسن رضوی

سید ابوذر شہرت بلگرامی ابن سید رضوی

سید مظاہر حسین نقوی ابن سید محمد نقوی

سید محمد نقوی ابن سید ظہیر الحسن نقوی

سید الطاف حسین ابن سید محمد علی نقوی

سیدہ امّ حبیبہ بیگم

حاجی شیخ علیم الدین

شمشاد علی شیخ

مسیح الدین خان

فاطمہ خاتون

شمس الدین خان

یا صاحب الزمانؑ ادرکنی

خدمتگارانِ مکتبِ اہلبیت (ع)

سید حسن علی نقوی

حسّان ضیاء خان

سعد شمیم

حافظ محمد علی جعفری

Hassan
naqviz@live.com